شائع ہوئے' ان میں مولانا کا مضمون شامل تھا ابھی حال ہی میں دہلی سے عرش ملسیانی نے رباعیات سرمد کا ایک منظوم ترجمہ' جو پہلے نغمہ سرمد' کے نام سے شائع ہوا تھا' شائع کیا ہے۔ اس میں سرمد پر نہ صرف مولانا کا پورا مضمون دیا گیا ہے بلکہ سرمد پر بھارت کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر شرما کا فاضلانہ پیش لفظ بھی ہے۔

۱۹۲۷ء میں علامہ اقبال مرحوم نے سید سلیمان مرحوم کے ایک مضمون منصور حلاج' پر سید صاحب کو خط لکھا تھا کہ "ابھی ایک شہید اور باقی ہے کیا عجب اس شہید (سرمد) کے قتل کی بھی باری آجائے" ہمیں یقین ہے کہ اگر آج علامہ زندہ ہوتے تو انہیں سرمد پر مولانا ابوالخیر کا مقالہ دیکھ کر مسرت ہوتی' ہم نے مولانا کے مقالہ میں جہاں کہیں کوئی ترجمہ یا تشریحی نوٹ لکھا ہے' اسے قوسین میں رقم کیا ہے۔

رشید احمد (جالندھری)

سرمد کے حالات جن کتابوں میں ملتے ہیں' ان میں سب سے قدیم کتاب "دبستان مذاہب" ہے' جس کا مصنف ۱۰۵۷ھ میں حیدر آباد (سندھ)[۳۱] میں اس سے ملا تھا۔ اس کے بعد عہد عالم گیری کے دو تذکرہ نویس' طاہر نصر آبادی (یا نصیر آبادی) اور شیر خان لودھی نے اپنے اپنے تذکروں میں اس کے قتل کا حال لکھا ہے۔ اس کے بعد اور دوسرے بہت متاخر زمانے کے تذکرے ہیں' اور بھی سرمایہ ہے' جو اب تک سرمد کے حالات زندگی کے بیان و تشریح میں کم و بیش استعمال کیا گیا ہے' لیکن اس سب کے علاوہ ایک اور پرانی دستاویز ہے' یہ دستاویز بانکی پور کے مشہور مشرقی کتاب خانے کی ایک قلمی کتاب "مجمع الافکار" میں ہے۔ صاحب مجمع الافکار نے اس کو نواب معتمد خاں کی یادداشت سے نقل کیا ہے[۳۲]

معتمد خان شاہجہان کے دربار کا ایک مشہور امیر تھا۔ وہ اورنگ زیب اور دارا شکوہ کی جنگ میں دارا شکوہ کی طرف سے لڑتا ہوا ۱۰۶۸ھ میں مارا گیا (مآثر الامراء' ج ۳' ص ۵۱۱) اس لیے اس کا بیان "متعصب اور ظاہر پرست" اورنگ زیب کے عہد کی رنگ آمیزی سے خالی ہوگا' اور چوں کہ وہ دارا شکوہ کا طرف دار تھا اس لیے یہ شبہ نہ گزرے گا کہ دارا شکوہ کی دشمنی میں اس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے۔

معتمد خاں لاہور میں سرمد سے ملا تھا' اور سرمد کے محبوب ابھے چند کو بھی اس نے دیکھا تھا۔ معتمد خاں نے اپنی ملاقات کی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ لیکن اتنا پتا دیا ہے کہ وہ شاہجہاں کے ساتھ کشمیر سے واپس ہوتے ہوئے لاہور میں اس سے ملا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ سرمد سندھ سے بالاتفاق ۱۰۴۲ھ میں آیا تھا' اور وہاں چند سال تک رہا' اور ۱۰۵۷ھ میں وہ "دبستان مذاہب" کے مصنف کے بیان کے مطابق حیدر آباد میں تھا' اور ۱۰۶۸ھ میں معتمد خاں مارا گیا۔ اب شاہجہاں کے سفر کشمیر کی تاریخیں دیکھیے :

شاہجہاں چار بار کشمیر گیا ہے اور آیا ہے' پہلی دفعہ ۱۰۴۳ھ میں گیا اور آیا' دوسری دفعہ ۱۰۴۹ھ میں جا کر ۱۰۵۰ھ میں لاہور واپس آیا' پھر ۱۰۵۴ھ میں جاکر ۱۰۵۵ھ واپس آیا' پھر ۱۰۶۰ھ میں کشمیر گیا اور ۱۰۶۱ھ میں واپس آیا۔ اس بنا پر نواب معتمد خاں کا سرمد سے ملنا ۱۰۴۳ھ کے سفر لاہور میں ناممکن ہے کہ وہ اس وقت سندھ میں تھا۔ اس لیے یہ ملاقات ۱۰۵۰ء میں ہوئی ہوگی یا ۱۰۶۱ھ میں۔

مجمع الافکار کی فارسی عبارت کا خلاصہ یہ ہے: (۴)

سرمد ایک یہودی کا بیٹا تھا' جس نے اپنی ہمت اور محنت سے بڑا نام پایا' کچھ عرصہ شیخ بہاء الدین محمد کی خدمت میں اور کچھ مدت میر محمد باقر کی صحبت میں رہا۔ ۱۰۴۲ھ میں سیرو تفریح کی غرض سے ہندوستان آیا۔ سندھ کے شہر ٹھٹھہ میں پہنچا تو ایک ہندو زادے کی محبت کا اسیر ہو گیا۔ ہوا یہ کہ اس کا باپ رسوائی کے ڈر سے ٹھٹھہ کے واقعہ نویس محمود بخشی کی خدمت میں گیا اور اس سے یہ قصہ بیان کیا۔ اس بے درد شخص نے اسے سخت سزا دی۔ اب سرمد کا جذبہ محبت انتہائی جوش میں آگیا تھا' اس کے ہوش و حواس ختم ہوگئے تھے' کپڑے پھاڑ ڈالے اور لباس عریانی اختیار کر لیا تھا۔ انہی دنوں محمود بیگ کا یہ شعر اس کے کانوں میں پڑا۔

کلید مخزن افلاک' گر درد ست من باشد
کواکب را براہ اہل حاجت چون درم پاشم

سرمد نے مندرجہ ذیل رباعی لکھ کر محمود بیگ کو بھیجی:۔

اے بادبگو بہ میرز اے بخشی
کاے کردہ فلک . بزیر رایت رخشی
گفتی کہ کواکب چوں درم می بخشم
خورشید مرا نیز یمن می بخشی

سرمد کے دل میں اپنے محبوب سے سچی محبت تھی اور اس کا ذہن ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھا۔ ایک عرصے کے بعد دونوں عالم جنوں میں سفر کرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ حضرت شہنشاہ جب موسم بہار میں عازم کشمیر ہوتے تو دارالحکومت لاہور میں ضرور قیام فرماتے۔ راقم الحروف (معتمد خاں) باغ میں حاضر خدمت ہوتا۔ سرمد دیوانگی کی حالت میں برہنہ سر' برہنہ پا اور برہنہ بدن گھومتا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال الجھے ہوئے اور ہاتھوں اور پاؤں کے ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ وہ زیادہ تر محبت و صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے موضوع پر شعر کہتا اور پڑھتا تھا۔ اس کے اکثر شعر موزوں اور مربوط ہوتے تھے۔ بعض شعر غیر موزوں اور غیر مربوط بھی ہوتے تھے۔ لیکن اس کا کمال یہ تھا کہ محبوب کی رضا جوئی کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ اس کا محبوب اپنے انداز میں بیٹھا ہوتا تھا' اس میں بڑی ملاحت تھی۔ وہ فارسی میں صاف اور سیدھی بات کرتا تھا اور طبیعت موزوں پائی تھی۔

سرمد کے واقعات زندگی اور سوانح کو پورے وثوق کے ساتھ اس طرح قلم بند کر دینا کہ ان میں "حالات مصدقہ تاریخی" کی شان ہو' بہت دشوار ہے۔ اول تو سرمد کے ابتدائی حالات زندگی بالکل تاریکی میں ہیں اور دوم جن واقعات سے تاریخوں نے بحث کی ہے ان میں بہت اختلاف ہے۔

اس سے قبل کہ اصل مسئلے پر غور کیا جائے' یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ مورخوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد بیان کس مورخ یا تذکرہ نگار کا ہو سکتا ہے اور پھر اس بیان پر نقد کرنا چاہیے۔

چند سال ہوئے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل میں عبدالولی صاحب کا ایک مقالہ اس موضوع پر شائع ہوا تھا' جس میں انہوں نے تمام تاریخی مآخذ پر تبصرہ کر کے سرمد کے واقعہ شہادت سے بحث کی تھی کہ سرمد کے ابتدائی حالات معلوم کرنے کا

ذریعہ اگر کوئی ہوسکتا ہے' تو وہ صرف "دبستان مذاہب" ہے۔ اس کا مصنف خود ۱۰۵۷ھ میں "سرمد" سے ملا تھا' اور بعد کے حالات کا علم زمانہ اورنگ زیب اور مابعد کے تذکروں اور تاریخوں سے حاصل ہو سکتا ہے' تنقید اگر ہوسکتی ہے تو صرف ان بیانات پر جو سرمد کے ابتدائی حالات سے متعلق نہیں ہیں اور جن میں صرف واقعہ قتل ہی کو اہم سمجھ کر بیان کیا گیا ہے۔

عہد اورنگ زیب میں صرف دو تذکرہ نویس طاہر نصیر آبادی اور شیر خاں لودھی ایسے تھے جنہوں نے سرمد کے قتل کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں انہی کے بیان کو اہمیت دی جائے گی۔

اورنگ زیب کا زمانہ ۱۰۶۸ سے ۱۱۱۸ ھ تک ہے اور سرمد ۱۰۷۱ ھ میں قتل ہوئے۔ اس لیے سب سے پہلا تذکرہ جس میں سرمد کا حال ہے' طاہر نصیر آبادی کا ہے جو ۱۰۸۳ اور ۱۰۸۹ کے درمیان یعنی قتل سرمد کے بارہ تیرہ سال بعد لکھا گیا اور اس کے بعد شیر خاں لودھی کا تذکرہ "**مراۃ الخیال**" ہے جو ۱۱۰۲ ھ یعنی سرمد کے ۳۱ سال بعد مرتب ہوا' اسی طرح میر حسین دوست سنبھلی کا تذکرہ ۱۱۶۳ ھ میں لکھا گیا جو "ریاض الشعراء" سے بھی دو برس بعد کا ہے' لطف علی کا "آتش کدہ" ۱۱۷۶ ھ کی تحریر ہے یعنی سرمد سے ایک سو پانچ سال بعد کی تصنیف ۔ پھر لطف علی خود ہندوستان بھی نہیں آیا تھا۔

قریب العہد ہونے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل وثوق تذکرہ طاہر اور شیر خاں کا ہے اور باقی تینوں تذکرے انہی کی صدائے بازگشت ہیں۔

تاریخوں میں عاقل خاں رازی' جو عہد اورنگ زیب کا مورخ تھا' قابل توجہ ہے' مآثر الامراء اور ریاض العارفین میں بھی سرمد کا ذکر ہے' لیکن ان سب میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے۔

مغربی سیاحوں میں برنیئر نے ایک سرسری بیان سرمد کے عریاں رہنے اور قتل کا کیا ہے۔ "منوچی" نے البتہ سرمد اور دارا شکوہ کے تعلق کا بھی اس سلسلے میں ذکر کیا ہے۔

ان تمام تذکروں اور تاریخوں سے جو حالات سرمد کے معلوم ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:
سرمد تخلص تھا، نام محمد سعید۔ تذکروں میں کہیں "سرمد" کہیں "ملا سعید" کہیں "محمد سعید سرمد" اور کہیں صرف سعید تحریر ہے۔ یہودی النسل تھے۔ کاشان میں پیدا ہوئے۔ اسلام قبول کیا۔ علوم حکمیہ کی تحصیل ایران کے مشہور فضلا ملا صدر الدین شیرازی اور میرزا ابوالقاسم قندرسکی اور دوسرے مشہور اساتذہ سے کی۔ تجارت خاندانی ذریعہ معاش تھا۔ اسی سلسلے میں سوداگری مال لے کر ہندوستان آئے اور "ٹھٹھہ" کی بندر گاہ میں اترے۔

کاروبار اچھی طرح چل رہا تھا اور زندگی چین سے گزر رہی تھی کہ ایک بقال زادہ "ابھے چند" پر نگاہ پڑ گئی اور پہلی نظر میں سرمد کا توازن عقل و فکر خراب ہوگیا۔ کاروبار چھوڑ کے اپنے محبوب کے دروازے پر جبہ سائی میں مصروف ہوگئے۔ سرمد کو ابھے چند سے کس قدر اور کس انداز کی محبت تھی، اس کا اندازہ خود سرمد کے ایک شعر سے ہوسکتا ہے جس میں اپنی محویت بیان کی ہے۔

نمی دانم دریں چرخ کہن دیر
خدائے من ابھے چند ست یا غیر

محبت غیر معمولی تھی، اس لیے ابھے چند بھی بہت متاثر ہوا اور رفتہ رفتہ سرمد کی صحبت سے اس پر یہ رنگ چڑھا کہ اس سے یہ شعر کہلوایا:

ہم مطیع فرقانم، ہم قسیس و رہبانم
ربی یہودانم، کافرم مسلمانم

چند روز بعد دونوں ٹھٹھہ سے دلی آئے، یہ شاہ جہاں کا زمانہ تھا۔ چند روز میں سرمد کی شہرت عام ہوگئی۔ لوگ جوق جوق زیارت کو آنے لگے۔ انہی زائروں میں دارا شکوہ بھی تھا جو فطرتاً بہت فقیر دوست تھا۔ شاہ جہاں نے جب یہ حالات سنے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ سرمد بالکل برہنہ رہتا ہے تو اس نے اپنے ایک امیر عنایت خان کو دریافت حال کے لیے بھیجا۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص جس کا فلسفہ لباس کے متعلق یہ ہو کہ

پوشاند لباس ہر کرا عیبے بود
بے عیباں را لباس عریانی واد

اس نے عنایت خاں کو کیا جواب دیا ہوگا۔ عنایت خاں نے واپس آکر شاہ جہاں کے سامنے یہ شعر پڑھا:

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت ست
کشفے کہ ظاہر ست از و کشف عورت ست

یعنی سرمد معمولی آدمی ہے، کشف و کرامات جو اس کی نسبت مشہور ہیں، صحیح نہیں۔

جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا اور دارا شکوہ قتل ہوا تو ملا شیخ عبدالقوی پنج ہزاری کو سرمد کے پاس بھیجا گیا۔ اس نے پوچھا "عریاں چرامی باشی؟" جواب دیا: "شیطان قوی ست" اور یہ رباعی پڑھی:

بالائے خوشے کردہ چنیں مست مرا
چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او دربغل من ست و من در طلبش
دزد عجبے برہنہ کرد ست مرا

ملا عبدالقوی کے دل میں "شیطان قوی ست" کا ابہام کھٹک رہا تھا، اس نے علما کو جمع کر کے قتل کا فتویٰ حاصل کیا اور بادشاہ کی منظوری حاصل کر کے حکم نافذ کر دیا۔(۵)

بعض کہتے ہیں کہ مجلس علما کو خود اورنگ زیب نے طلب کیا تھا اور وہ خود بھی اس جلسے میں موجود تھا۔ سبب قتل کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض نے اس کی وجہ صرف عریانی لکھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے کلام میں بعض باتیں اسلام کے عقائد کے خلاف تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب مجلس میں سرمد کو طلب کیا گیا تو ان سے سوال ہوا کہ تم صرف "لا الہ" کیوں کہتے ہو؟ الا اللہ اس کے ساتھ ہی کیوں نہیں کہتے؟ سرمد نے جواب دیا: میں ابھی اس نفی کے درجے سے نہیں گزرا، آگے کی بات کیوں کر کہہ سکتا ہوں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے اس سے پوچھا: تم نے دارا شکوہ کی فرمانروائی کے متعلق پیش گوئی کی تھی، وہ کیوں پوری نہیں ہوئی؟ سرمد نے جواب دیا:

"سلطنت تو حقیقت میں داراشکوہ ہی کو ملی ہے اور وہ اس مرتبے کی سلطنت ہے کہ تم وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتے"

اورنگ زیب اور سرمد میں یہ گفتگو ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو' یہ بالکل یقینی ہے کہ اورنگ زیب کے اشارے اور منظوری سے سرمد کو قتل کیا گیا' اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ قتل نہ مذہبی تھا نہ سیاسی بلکہ انتقامی تھا۔

جب سرمد قتل گاہ کی طرف چلے تو لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ رستے بالکل بند ہوگئے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت انہوں نے ۲۴ رباعیاں کہیں۔ جب جلاد آیا تو اس نے رواج کے مطابق ان کی آنکھوں پر پٹی باندھنی چاہی' لیکن سرمد نے منع کیا اور یہ شعر پڑھا:

رسیدہ یار عریاں تیغ ایں دم
بہر رنگے کہ می آئی شناسم

یہ شعر بھی اسی وقت پڑھا:

شورے شد واز خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

عاقل خاں رازی عہد عالم گیری کا مورخ بیان کرتا ہے کہ جس وقت جلاد قتل کے لیے آمادہ ہوا' سرمد نے یہ شعر پڑھا۔

عریانی تن بردہ غبار رہ دوست
آں نیز بہ تیغ از سرما وا کردند

بعض نے اس شعر کا یوں پڑھنا بیان کیا ہے:

سربریدہ از تتم شوخے کہ بابا یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

سرمد کے ساتھیوں میں ایک شخص شاہ اسد اللہ تھے' انہوں نے سرمد سے کہا: "کپڑے پہن لو اور کلمہ شہادت پڑھ لو تو ابھی آزاد کر دیئے جاؤ گے" یہ سن کر سرمد نے جواب دیا:۔

عمر بیست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

والہ داغستانی اپنے تذکرہ "ریاض الشعراء" میں لکھتا ہے: "سرمد نے دارا شکوہ کے بادشاہ ہونے کی پیش گوئی کی تھی' اس لیے اورنگ زیب اس سے بہت برہم تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے ملا قوی قاضی القضاۃ کو بھیجا کہ ننگے رہنے کا سبب دریافت کیا جائے۔ ملا قوی کو سرمد نے سخت جواب دیا' اس سے وہ چڑ گئے اور واپس آکے قتل کا فتویٰ تحریر کیا۔ اورنگ زیب نے کہا کہ دربار میں طلب کیا جائے اور فضلائے عصر اس سے سوال کریں۔ سرمد دربار میں آئے اور منجملہ دوسرے سوالات کے ایک سوال اورنگ زیب نے دارا شکوہ کے لیے سلطنت کی پیش گوئی کی نسبت بھی کیا۔ سرمد نے جواب دیا: "اس کو ابدی سلطنت مل گئی ہے' اس لیے میرا وعدہ جھوٹ نہیں ہے۔" اس جواب نے اورنگ زیب کو اور برہم کر دیا اور آخر کار قتل کا حکم نافذ ہو گیا۔

سرمد جامع مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے قتل ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔ تمام واقعات پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ سرمد کے قتل میں مذہبی تعصب کو اس قدر دخل نہ تھا' جتنا جذبہ انتقام کو۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ سرمد ایک مجذوب صفات کا انسان تھا اور عقائد تصوف کے ماتحت بہت وسیع الخیال مشرب رکھتا تھا اور یہ بھی درست ہے کہ اس نے اشعار میں بہت سی باتیں ایسی کہی ہیں جو علمائے ظاہر کے نزدیک مستوجب سرزنش ہوسکتی ہیں' لیکن باوجود ان تمام باتوں کے اس کو قتل کی سزا کا مستوجب ٹھہرانا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ کافر تھا' تو کیا اورنگ زیب نے سارے کافروں کو یہی سزا دی تھی۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دارا شکوہ سرمد کا بہت معتقد تھا۔ وہ اپنی تحریر میں سرمد کو یوں مخاطب کرتا ہے:

میرے پیرومرشد! ہر روز شرف صحبت میسر نہیں آتا۔ اگر میں دا قعۃً اپنے ارادے کا مالک ہوں تو پھر ارادہ کرنے کے بعد اس میں تعطل کیوں آجاتا ہے؟ اور اگر ایسا

نہیں ہے تو پھر اس میں میرا کیا قصور؟ قتل حسین اگر مشیت خداوندی کا نتیجہ ہے تو دنیا میں یزید کون ہے؟ اور اگر اس میں مشیت خداوندی کو دخل نہیں تو اللہ کے ارادہ و حکم اور مشیت کا کیا مطلب ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافروں سے جنگ کے لیے جاتے ہیں، مگر لشکر اسلام شکست کھا جاتا ہے۔ علما ظاہر کہتے ہیں کہ صبر کی تعلیم دی گئی ہے، منتہی کو کون سی تعلیم کی ضرورت ہے؟

سرمد نے جواب میں کہا:-

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار تکرار می کنیم

اورنگ زیب داراشکوہ کا جس قدر مخالف تھا، وہ تاریخ سے ظاہر ہے اور اس لیے سرمد سے بھی اس کا برہم رہنا کسی اور تاویل کو نہیں چاہتا۔ دارا شکوہ کو وہ ۱۰۶۹ھ میں قتل کرتا ہے۔ اور اس کے تین سال بعد اس کے پیر سرمد کی زندگی بھی ختم کر دیتا ہے تاکہ پھر اس قسم کا کوئی فتنہ پیدا ہی نہ ہو۔

داراشکوہ اور اورنگ زیب کے معتقدات و خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ دارا شکوہ اس تحریک پر عامل تھا جو اکبر نے شروع کی تھی اور وہ مذہب کے بارے میں حد درجہ آزاد تھا۔ وہ نہایت آزاد خیال، صوفی مشرب اور وسیع النظر تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ مذہب نام ہے صرف تزکیہ اخلاق کا اور علو نفس کا۔ پھر یہ صورت و حالت جس طرح پیدا ہو جائے، ایک شخص کے لیے وہی مذہب ہے اور اس کو کسی مخصوص مسلک کا پابند بنانا مناسب نہیں ہے۔ وہ دنیا کے تمام مذاہب و اہل مذاہب کو یکساں سمجھتا تھا۔ تنہا اسلام ہی کو ذریعہ نجات نہ سمجھتا تھا۔ برخلاف اورنگ زیب کے کہ وہ ایک سخت متعصب مسلمان تھا، علمائے ظاہر کی طرح شریعت کا پابند اور اسلام کا مفہوم سمجھنے میں صرف الفاظ کا متبع تھا۔ اس کا دل تصوف کی چاشنی، عشق کے سوز، محبت اور ہمدردی کے گداز سے یکسر خالی تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ ہر شخص کا فطری فرض ہے کہ وہ مسلمان ہو اور شریعت اسلامی کا پابند ہو کر زندہ رہے۔ اس کے ساتھ اگر رقابت سلطنت کو بھی شامل کر لیا جائے، جو اورنگ زیب اور دارا شکوہ کے درمیان تھی، تو ان دونوں میں منافرت کا نہایت شدید ہو جانا امر مستبعد نہیں معلوم ہوتا۔

دارا شکوہ کو اورنگ زیب کا قتل کر دینا گو انسانی نقطہ نظر سے اچھا نہ ہو' لیکن سیاسی نقطہ نظر سے اس کو قابل ملامت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس طرح سرمد کے بارے میں اگر یہ امر متحقق ہو جائے کہ اس کا قتل بالکل سیاسی تھا تو اورنگ زیب قابل ملامت نہیں ٹھہرتا۔ لیکن جب اس زمانے کے حالات پر نگاہ کی جاتی ہے تو ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دارا شکوہ کے معاملے میں اورنگ زیب خواہ کتنی ہی راستی پر ہو' لیکن سرمد کے معاملے میں اس کی حیثیت ایک سفاک قاتل سے زیادہ نہیں ٹھہرتی۔

دارا شکوہ کو قتل ہوئے تین سال کا زمانہ گزر جاتا ہے' اورنگ زیب کا تسلط عام ہو جاتا ہے اور کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے' جس کی طرف سے اندیشہ بغاوت ہو' اس حالت میں اگر اورنگ زیب' سرمد ایسے انسان کا قتل جائز رکھتا ہے' جو دنیا سے علیحدہ' حو اس سے بیگانہ' مجذوبوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے' جس کا مقصود سوائے امن و سکون کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا' تو کون کہہ سکتا ہے کہ اورنگ زیب نے اس کو استحکام سلطنت کے خیال سے قتل کرایا۔ یقیناً سرمد کا قتل اسی بغض و عناد سے وابستہ تھا جو دارا شکوہ کی طرف سے اس کے دل میں جاگزیں تھا اور وہ اسی انسانی کمزوری کے تحت جو بڑے سے بڑے انسان کے دل میں کبھی نہ کبھی معصیت کا بیج بو سکتی ہے' مجبور ہو گیا کہ سرمد کو بھی قتل کر کے اپنی آتش انتقام کو پوری طرح بجھا دے۔

سرمد کے حالات زندگی' سرمد کی حقیقت اور سرمد کے اقوال و افعال یقیناً اس سے بہت بلند تھے کہ اورنگ زیب ایسا ظاہر پرست' مقلد الفاظ' پابند ظواہر' خشک و عبوس انسان ان کو سمجھ سکتا۔ اس لیے اس کو سرمد کے الفاظ میں قابل گرفت باتیں نظر آجانا یقینی تھا۔ ادھر دل پرانے کینے سے لبریز تھا ہی' ادھر ظاہری تاویل کے لیے سرمد کے بعض الفاظ بھی مل گئے۔ اس لیے اس کو وہی کرنا چاہیے تھا جو ایسے تنگ نظر بادشاہوں نے ہمیشہ کیا ہے اور کریں گے۔

سرمد پر عریانی کا الزام رکھنا' "لا الہ" کو حجت بنانا' یہ تو صرف بہانا تھا' ورنہ اصل سبب تو وہی تھا جسے اورنگ زیب کے خود اس سوال نے ظاہر کر دیا جو دارا شکوہ کی سلطنت کی پیش گوئی کے متعلق طعن کی صورت میں سرمد سے کیا گیا تھا۔ اورنگ زیب

نے ظاہر شریعت کی آڑ سامنے رکھ کر دل کی بات چھپانی چاہی' لیکن دل کا کانٹا آخر کار زبان سے نکل کر رہا۔ اور وہ کھلے دربار میں اپنی اس خلش کے ظاہر کرنے سے باز نہ رہ سکا جو اس سے تین سال قبل دارا شکوہ کا خون پی چکی تھی۔

اورنگ زیب کے واقعات حیات و سلطنت خواہ کتنے ہی قابل تعریف کیوں نہ ہوں' لیکن سرمد کا واقعہ قتل ایک ایسا دھبا ہے جس کو کسی تاویل سے بھی اس کے دامن کی زینت نہیں قرار دے سکتے۔

۱۲' ستمبر ۱۹۲۷ء

جیوش انسائیکلو پیڈیا (قاموس الیہود) میں سرمد پر ایک مستقل مضمون ہے' ذیل میں اس کا ترجمہ درج ہے:

سرمد (نام) محمد سعید' یہودی نسل کے فارسی شاعر' سترھویں صدی کے نصف اول میں تھے۔ مقام کاشان میں ایک ربی (یہودی مقتدائے دین) کے گھرانے میں پیدا ہوئے' لیکن آگے چل کر مسلمان ہوگئے' اور ہندوستان تاجر کی حیثیت سے چلے گئے۔ شہر ٹھٹھہ (کراچی) میں ایک ہندو زادے ابھے چند پر فریفتہ ہوگئے اور اسے یہودیت و اسلام کے ایک مخلوط مذہب میں لے آئے۔ ۱۶۴۷ء میں سرمد' ٹھٹھہ کے قریب شہر حیدر آباد میں تھے' وہیں محسن فانی' مصنف "دبستان مذاہب" سے ملاقات ہوئی' اور ان کو سرمد نے یہود پر ایک مختصر باب لکھنے کے لیے معلومات دیں۔ محسن فانی کی حسب روایت سرمد کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کی زندگی اور موت' ایک دن اور ایک رات ہیں' جو ادل بدل کر' ایک سو بیس سال کے وقفے کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد ایک غیر متعین مدت تک آتے رہتے ہیں' اور موت کے بعد جسم گھل کر کچھ معدنیات اور کچھ نباتات و حیوانات وغیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس عقیدے میں ہندوانہ اثر ظاہر ہے۔ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ کہ محمدؐ کے لیے بشارتیں توریت میں ہیں' ان کے اسلام کی شہادت دے رہا ہے۔ شاہجہان کے عہد میں سرمد سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا' لیکن اورنگ زیب نے ۱۶۵۸ء میں تخت نشین ہونے کے بعد ہی ان پر زندقہ کا جرم قائم کیا اور قتل کرا دیا۔

سرمد ایک بڑے لائق شاعر تھے اور ان کی متعدد رباعیات اب تک محفوظ چلی آرہی ہیں' لیکن ان کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ ابھے چند نے جو توریت کا فارسی ترجمہ کیا تھا' اس کے بعض اجزا کی انہوں نے محسن فانی کے ساتھ مل کر تہذیب کی' یہ ترجمہ جو دبستان میں کتاب پیدائش' باب ۶' آیت ۸ تک درج ہے' اس قدیم فارسی ترجمے سے بہت کچھ مختلف ہے جو جیک طاؤس وغیرہ نے کیا تھا۔" (ج ۱۱' ص ۶۴)

جیوش انسائیکلوپیڈیا یہود کی مستند کتاب ہے' جسے سینکڑوں علمائے یہود نے مل کر تالیف کیا ہے۔ بارہ ضخیم مجلدات میں ہے اور ہر جلد تقریباً سات سو صفحات کی ہے۔"

سرمد کی ہماری شاعری کی دنیا میں جو شہرت ہے' محتاج بیان نہیں' کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ اصلاً یہودی تھے' اور یہود اب تک انہیں اپنے اکابر میں شمار کرتے ہیں۔

دبستان مذاہب از ذوالفقار اردستانی (میں سرمد کے بارے میں آیا ہے) (۶)

۱۰۵۷ھ میں جب نامہ نگار ..... حیدر آباد پہنچا تو محمد سعید سرمد سے شناسائی ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ سرمد یہودی دانش مندوں میں سے ہے اور ربانیون کے گروہ سے۔ ربانیوں کے عقائد سے آگاہی اور توریت پڑھنے کے بعد مسلمان ہوگئے اور ایران کے ملاصدرا' میرزا ابوالقاسم قندرسکی اور دوسرے اہل دانش سے حکمت (فلسفہ) پڑھی، پھر اہل تجارت کے دستور کے مطابق بحری راہ سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا، جب شہر ٹھٹھہ میں پہنچے، تو ابھے چند نامی ایک ہندو زادے پر عاشق ہوگئے اور ہر چیز سے کنارہ کش ہو کر سنیاسیوں کی مانند یک قلم برہنہ ہو کر محبوب کے دروازے پر جا بیٹھے، ابھے چند کے والد کو جب سرمد کی پاکیزگئ عشق کا پتہ چلا تو انہیں اپنے گھر لے گیے، لڑکے کو بھی آپ سے اس قدر دلی لگاؤ ہوگیا کہ سرمد سے جدائی اختیار نہیں کرتا تھا، ابھے چند نے سرمد سے توریت، زبور اور دیگر صحائف پڑھے، یہ شعر اسی ہندو زادے کا ہے:۔

ہم مطیع فرقانم ہم قسیس ورھبانم
ربی یہودانم، کافرم، مسلمانم

(میں فرقان حمید کا پیرو ہوں اور راہب بھی، یہودیوں کا ربی ہوں اور کافر اور مسلمان بھی)

ربی دانا کو کہتے ہیں، ربانیوں اس کی جمع ہے، بنی اسرائیل میں ستر عورت ضروری نہیں تھا اور سرمد ہی سے سنا گیا کہ حضرت اشعیاء پیغمبر بھی آخری عمر میں برہنہ رہتے تھے۔ سرمد بہت عمدہ شعر کہتے۔ مندرجہ ذیل چند اشعار انہی کے ہیں:۔

سرمد کہ زجام عشق مستش کردند
خواندند سرافرازش و پستش کردند
می خواست خدا پرستی وہشیاری
مستش کردند و بت پرستش کردند

حضرت رسول عربی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی مدح میں سرمد کہتے ہیں۔

اے از زرخ تو شگفتہ خاطر گل سرخ
باطن ہمہ خون دل و ظاہر گل سرخ
زاں دیر بر آمدی زیوسف کہ بباغ
اول گل زرد آمد آخر گل سرخ
آں ذات بروں ز گنبد ازرق نیست
ذاتیست مقید کہ بجز مطلق نیست
حق باطل نیز ہست باطل حق نیست
آں ذات بجز مصدر ہر مشتق نیست
در کعبہ و بت خانہ سنگ او شد و چوب او شد
یک جا حجر اسود یک جا بت ہندو شد

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے پیشوا شیخ محمد خان کی مدح میں سرمد کہتے ہیں :-

اے کہ مدار عرش را دائرہ عظیمہ
کردہ بخدمت تو صد ہم چو سپہر نو کری
نصف نہار دار کن شام من غریب را
گر بجناب قطب چوں نصف نہار بر خوری

شیخ کو سرمد کی صحبت عزیز تھی۔ ایک دن نامہ نگار (مجلس میں) حاضر تھا کہ حیران نامی ایک شخص سے جو شیخ کی مدح کر رہا تھا، سرمد نے کہا کہ عنقریب شیخ اپنے تمام اندوختہ سمیت سفر آخرت پر روانہ ہوں گے اور محمد سعید میر جملہ بلند مرتبے پر فائز ہوں گے۔ اسی سال شیخ حیدر آباد سے حج پر روانہ ہو گئے، لیکن ۱۰۵۹ھ میں ہندوستان کی ایک بندرگاہ مخا پہنچے تھے، کہ ان کی روح سفینہ تن سے جدا ہو کر محیط بے کراں کے ساتھ مل گئی (ص ۱۹۴-۱۹۵)

سرمد (در مرآۃ الخیال)

(شیر خان لودھی اپنے تذکرہ "مراۃ الخیال" میں سرمد کے بارے میں لکھتے ہیں)

سرمد کا اصل وطن فرنگستان ہے، وہ ارمنی نژاد تھے۔ اپنی طبع روشن کے باعث مختلف علوم و فنون کی تحصیل کی، تجارت کے پیشہ سے تعلق رہا اور مال و دولت کے مالک بنے، ایک سفر میں شہر ٹھٹھہ وارد ہوئے، تو سلطان عشق نے ایک ہندو زادے کی راہ سے اقلیم دل پر قبضہ کر لیا۔ جس کے نتیجہ میں سرمد کی متاع دین و دانش جو انسانیت کا حقیقی سرمایہ ہے، لٹ گئی۔ جنوں اور سوز دروں کے ہاتھوں اپنی ساری پونجی دوسروں کی نذر کر دی۔ حتی کہ جسم بھی لباس کی قید سے آزاد ہو گیا۔ عریانی کو اپنا شعار بنایا اور رفع حاجت بھی کھلے بندوں کرتے۔ دارا شکوہ مجذوبوں کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اس لیے اس نے سرمد کی صحبت اختیار کی اور ایک مدت اسی کے ساتھ جذب و مستی کے عالم میں رہا۔ ناگاہ زمانہ نے رنگ روپ بدلا اور ۱۰۶۹ھ میں ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بادشاہ غازی نے تخت خلافت و

جہانبانی کو زینت بخشی، دنیا میں خدا پرستی کا آوازہ بلند ہوا، اکبر و جہانگیر کے رسم و رواج ختم ہو گئے، دارا شکوہ اور مراد بخش کی بدعات نے دم توڑ دیا ..... ایسے وقت میں جب کہ دین مبین کو ہر لحظہ رونق تازہ حاصل ہو رہی تھی اور ملت بیضا کو بے پناہ جلاء مل رہی تھی۔ سرمد کو بھی پابند لباس بنانے کی سعی کی گئی مگر وہ اپنے سوداوی مزاج کے باعث اس طرف نہ آئے، چنانچہ ۱۰۷۲ھ میں تیغ شریعت سے اس کا سر قلم کیا گیا۔ سرمد کے قتل میں اس کی اس رباعی کو جس سے معراج کا انکار لازم آتا ہے، بھی دخل تھا۔

آن را کہ بہ سر حقیقتش یاور شد
خود پہن تراز سپہر پہنادر شد
ملا گوید کہ بر شد احمد بہ فلک
سرمد گوید سپہر در وے در شد

جب سرمد قتل گاہ میں پہنچے، تو جلاد دستور کے مطابق آپ کی آنکھیں باندھنے کے لیے آگے بڑھا، لیکن سرمد نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا، جلاد کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا۔ "تو جس شکل میں بھی آئے، میں تمہیں پہچانتا ہوں" اور آگے بڑھ کر سر تلوار کے نیچے رکھ دیا اور یہ اشعار پڑھے۔

شور ے شد از خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقی است شب فتنہ غنودیم
سوخت بے وجہم تماشارا ببیں
کشت بے جرمم مسیحارا ببیں
زندہ کش جاں نیا شد دیدہ
گر ندیدستی بیا مارا ببیں
اے کہ از دیدار یوسف غافلی
داغ یعقوب و زلیخارا ببیں
اے کہ از روزبدم در حیرتی
یک زماں آں روی زیبارا ببیں
شاہ و درویش و قلندر دیدہ
سرمد سرمست رسوارا ببیں

(ص ۱۴۰ - ۱۴۲)

سرمد (در ریاض الشعراء)

(والہ داغستانی اپنے تذکرہ ریاض الشعرا میں سرمد کے ترجمہ میں لکھتے ہیں)

سعید، سرمد کا تعلق کاشان کی یہودی جماعت سے ہے۔ قبول اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئے، شروع میں تجارتی کاروبار میں مصروف رہے، بندر سورت میں ان پر جذبہ حق غالب آیا اور وہ از خود رفتہ ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں اپنا تمام مال و دولت (راہ حق میں) لٹا دیا۔ عریانی کو اختیار کرتے ہوئے سوئے صحرا نکل گئے۔ ایک مدت تک بیاباں میں رہے، پھر وہاں سے شاہجہان آباد پہنچ گئے۔ محمد دارا شکوہ جو سرمد کا دل دادہ اور معتقد تھا، شاہجہان کا ولی عہد تھا۔ سرمد کی نگہ التفات بھی شاہزادے پر رہتی۔ ایک دن گفتگو میں سرمد نے دارا سے کہا کہ تم بادشاہ بن جاؤ گے۔ لیکن ہوا یہ کہ دارا کے چھوٹے بھائی محمد اورنگ زیب نے ایسی تدبیریں لڑائیں، جن کی تشریح یہاں طول کلام کا باعث بنے گی۔ اپنے والد کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور فتح پائی۔ والد کو تخت و تاج سے معزول کر کے خود تخت نشین ہو کر اپنے بھائیوں کو جن میں دارا شکوہ بھی تھا۔ زیر کر کے انہیں قتل کرا دیا۔ سرمد نے دارا شکوہ کو بادشاہی کی جو خوش خبری سنائی تھی، اس پر اورنگ زیب، سرمد سے کبیدہ خاطر تھے۔ چنانچہ آپ نے ملا قوی کو جو اپنے عہد کے قاضی القضاۃ تھے۔ حکم دیا کہ سرمد سے پوچھیں کہ اس (سرمد) نے اپنے فضل و علم کے باوصف عریانی و برہنگی کو کیوں اختیار کر رکھا ہے؟ قاضی قوی نے تعمیل حکم بجا لاتے ہوئے سرمد سے یہ سوال کیا سرمد نے جواب میں کہا :-" شیطان قوی ہے، اور یہ رباعی پڑھی :-

خوش بالائی کردہ چنیں مست مرا — چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش — دزدے عجبے برھنہ کردہ است مرا

ملا قوی سخت آزردہ ہوئے اور وہاں سے اٹھ کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے اور سرمد کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ لیکن بادشاہ نے کہا کہ سرمد کو دربار عالی میں طلب کیا جائے، وقت کے اہل علم اس سے بات چیت کریں۔ اگر شرعی طور پر سرمد کا قتل ضروری ہو تو پھر اسے قتل کر دیا جائے، چنانچہ شاہی فرماں کے مطابق علماء نے اپنا اجلاس بلایا، جس میں سرمد کو

بلایا گیا، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اہل علم نے سرمد سے توبہ کرنے اور لباس پہننے کے لیے کہا، لیکن بے سود، سرمد نے ان کی بات نہیں سنی۔ علماء نے شرعی حجت پورا کرنے کے بعد سرمد کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا اور اسے قتل گاہ میں لے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت لوگوں کا اس قدر ہجوم ہو گیا کہ راہ چلنا مشکل ہو گیا۔ ایک ذمہ دار آدمی سے میں نے سنا کہ سرمد نے دربار سے مقتل تک جاتے ہوئے ۲۴ رباعیاں کہیں۔ جامع مسجد کے پہلو میں سرمد کا سر قلم کیا گیا اور اسی جگہ اسے دفن کر دیا گیا۔

راقم الحروف (والہ داغستانی) کو سرمد کے مزار کی زیارت کا کئی بار شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے ہر موسم میں اس کی تربت پر سبزے میں کوئی کمی نہیں دیکھی، واقعہ یہ ہے کہ اس منصور ثانی (سرمد) کی زیارت قبر سے ایک عجیب قسم کا فیض حاصل ہوتا ہے جب اس کی گردن اڑائی جا رہی تھی تو اس نے جلاد سے کہا۔ "میں تم پر قربان، تم جس شکل میں بھی آؤ، میں تمہیں خوب پہچانتا ہوں۔

ایک ثقہ جماعت سے سننے میں آیا ہے کہ جب سرمد کی گردن جسم سے الگ کی گئی، تو وہ کلمہ طیبہ اور خدا کی حمد کا ورد کر رہی تھی، راقم الحروف نے شاہ اسد اللہ سے جو ایک مرد درویش ہیں اور زاویہ نشیں، سنا کہ مجھے سرمد سے خاص قلبی تعلق تھا۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ اپنی وضع قطع بدل لیں، تو بندگان الٰہی کی منت و سماجت دیکھتے ہوئے بظاہر کوئی نقصان نہیں" جواب میں انہوں نے یہ شعر پڑھ دیا۔

عمر یست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

مخدومی حضرت خلیفہ ابراہیم دام افضالہ سے میں نے سنا کہ سرمد "لاالہ" سے زیادہ کلمہ طیبہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے یہ بات سنی اور سرمد کے خلاف اہل دعویٰ (ملا قوی) کو اس امر سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ بادشاہ نے علما سے کہا کہ سرمد کو پورا کلمہ یاد دلایا جائے۔ علماء نے سرمد سے پوچھا کہ یہ اس علم و فضل پورا کلمہ نہ پڑھنے کی وجہ کیا ہے؟ یا تو تم توبہ کر کے پورا کلمہ پڑھ لو یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ، میں ابھی تک نفی (ذات لاالہ) میں غرق ہوں، مقام اثبات (الااللہ) پر نہیں پہنچا، غلط بات زبان پر کیوں کر لا سکتا ہوں، سرمد نے جواب دیا۔ آخر کار اسے قتل کر دیا گیا۔ لیکن جونہی سر جسم سے جدا ہوا، تو (سر کشتہ سے) تین بار "الااللہ" کی صدا بلند ہوئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سرمد اپنے عہد کے ممتاز ترین دانش مندوں اور طالبِ علمیں سے تھے ادبیات عربی اور دانش مندی میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا سخن گوئی کے میدان میں وقت کے اہل بلاغت سے گویے سبقت لے گئے تھے۔ فصاحت و بلاغت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے افکار سے سرمد کی جودت طبع اور ان کے بلند مقام کا پتا چلتا ہے۔

گرم عتاب چوں شود دیدہ بپوشم از رخش
پردہ کشند مردماں چو شود آفتاب گرم

ریاض الشعرا، ورق ۳۹۰ ـ ۳۹۲

سرمد (کی علمی زندگی) کے متعلق صاحب دبستان مذاہب کہتے ہیں:۔ ”یہودی علما کے عقائد سے آگہی اور توریت پڑھنے کے بعد وہ مسلمان ہوگئے‘ مسلمان ہونے کے بعد ایران کے دانش مندوں مثلاً ملا صدرا‘ میرزا ابوالقاسم قندرسکی وغیرہ کی خدمت میں رہ کر حکمت (فلسفہ) پڑھی۔“ (ص ۱۹۴‘۱۹۵)

صاحب دبستان کے یہ تینوں افادے (تصریحات) سرمد کے قبول اسلام کی علمی اساس متعین کرتے ہیں اور اس کی رباعیات‘ قرآن و حدیث حتیٰ کہ احادیث قدسی سے اس کے ربط کی شاہد ہیں۔ اس کی یہ رباعی :۔

ہر چند کہ لطف و دل آزار توئی
بیش ازہم غم خوار و وفادار توئی
در عالم امتحان چو گشتم دم بدم
ہر جا کہ بود خستہ دلے‘ یار توئی

یہ رباعی حدیث قدسی ”انا عندا لمنکسرۃ قلوبھم“ (میں شکستہ دلوں کے پاس رہتا ہوں ابن عربیؒ اس حدیث میں ”انا“ کی جگہ ”ان اللہ“ روایت کرتے ہیں۔) کی حامل ہے۔ قندرسکی اور ملا صدرا جیسے فضلا سے تلمذ حکمیات میں اس (سرمد) کی اعلیٰ دست گاہ واضح کرتا ہے۔ متاخرین فلاسفہ اسلام کی تحقیق و تنقیب کی بہترین جامع تالیف ملا صدرا کی اسفار اربعہ کے بارے میں یہ افادہ استاذ دل نشین ہے کہ الٰہیات میں صاحب اسفار پر ذوق تصوف غالب ہے۔ صفویوں کے عہد میں ایران میں تصوف کی بیخ

کنی ہوگئی تھی لیکن زبان خلق نے ان کو صوفی مشہور کر دیا۔ اسفار میں حکمت عرشی کہہ کے جو کچھ لکھتے ہیں' عارفان طریقت خصوصا شیخ اکبر (ابن عربی) رحمتہ اللہ علیہ کے معارف ہوتے ہیں' وہ شیخ اکبر کے بہت ہی معتقد تھے۔ اسی بنا پر سرمد کا وحدۃ الوجود محققین صوفیہ کا وحدۃ الوجود ہے (جو) داراشکوہ کے وحدۃ الوجود سے بمراتب بلند و محکم ہے۔

گو تذکرے علوم اسلامی میں سرمد کی دست گاہ سے تعرض نہیں کرتے' لیکن اولاً حکمیات کی تحصیل عربیت (عربی زبان) میں دست گاہ کے بغیر ممکن نہیں تھی' ثانیاً صاحب "فرحتہ الناظرین" کا یہ اجمال :۔ اکثر علوم پر (انھوں نے) غور و فکر کیا تھا' عربی ادبیات پر عبور حاصل تھا۔" (ص ۹۳) اور صاحب "ریاض الشعراء" کا یہ اجمال : "وقت کے اکابرین علم میں سے تھے' عربی علوم میں ان کا کوئی مثیل نہیں تھا۔ شعرو شاعری کے میدان میں وقت کے اہل کمال سے بازی لے گئے تھے۔" حامل تفصیل ہے۔

تذکروں میں "سعید اے سرمد" اور ریاض العارفین میں "سرمد کاشی" کے عنوان سے حالات درج ہیں۔ صرف دبستان مذاہب سے "محمد سعید" نام پر اطلاع ہوتی ہے۔ "کاشی" نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندان کاشان میں آباد ہو گیا تھا' یوں سرمد کو خردمندان ایران سے اکتسابات کا موقع فراہم ہوا۔

خاندانی پیشہ تجارت تھا' اس سے اس عہد کے معاشرے کا ذہنی افق نمایاں ہوتا ہے' تجارت کے سلسلے میں سرمد ہندوستان آئے' اس زمانے میں سندھ کے راستے درآمدی برآمدی کاروبار ہوتا تھا اور تتہ (ٹھٹھہ) بہت بڑی تجارتی منڈی تھا' اس تقریب سے محمد سعید تتہ میں وارد ہوئے اور یہیں "عالم آشوب نگاہے سرراہم بگرفت" کا معاملہ پیش آیا' جس نے تاجر محمد سعید کو "سرمد" بنا دیا۔

یہ انوکھا واردہ نہیں' عنایت ربوبیت بحسب نفوس و عوارض تنقیہ و تزکیہ کی غرض سے ہمیشہ جلوہ نما ہوتی رہی ہے۔ عارف نیشا پور فرید الدین عطار نے "منطق الطیر" میں بضمن عقبات' کرشمہ ہائے قدرت کے رنگا رنگ جلوے دکھائے ہیں' ازاں جملہ ایک عالم کتاب و سنت' متقی بزرگ معروف بہ "شیخ صنعان" کا بصیرت آموز قصہ لکھا ہے۔ پیر کہن سال تھے۔ پچاس سال بیت اللہ میں رہے' عمرے کرتے اور ہر سال سعادت حج حاصل کرتے' چار سو مریدوں کے مقتدا تھے' جو مستقلا جلو میں

رہتے، کس کے تصور میں یہ بات آسکتی تھی کہ یہ شخص ایک ترسازادی کے عشق میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ لیکن پندار تقویٰ کی بادشاہی میں یہ امر واقع ہوا، چند روز مسلسل عالم رویا میں دیکھا کہ راہ حرم میں ایک بت کو سجدہ کر رہے ہیں، مضطرب ہوئے، اپنے پر نفریں کی، لیکن خرقہ سالوس تار تار ہونا اٹل تھا، مریدوں سے کہا:۔ "چلو روم کا سفر کریں، دیکھیں کہ پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے، اثنائے راہ میں ایک عظیم محل نظر آیا، جھروکے میں ایک مست شباب فتنہ جویاں حسینہ بیٹھی نظر آئی، حصول وصل میں ترساز ادی کے ایسے فرماں بردار بنے کہ اپنا دین چھوڑ کر اس کے ہم کیش ہوگئے۔ اس نے کہا: بادہ نوشی کرو، قرآن کو جلا دو، بولے: وہ دین ہی چھوڑ دیا، تو قرآن سے سروکار نہیں۔ مرید اپنے مقتدا کی حالت سے دل فگار ہوگئے، بہت سمجھایا، مگر شیخ پر خواہش کام جوئی مسلط ہو چکی تھی:۔

گفت جز کفر از من حیراں مخواہ
ہر کہ کافر شد ازوایمان مخواہ

وصل کے طلب گار ہوئے، اس نے کہا یہ قیمت دو کہ سال بھر میرے در پر رہ کر خاک بانی کرو۔ شیخ نے یہ بھی کیا:

شیخ ایمان داد و ترسائی خرید
عاقبت بفروخت و رسوائی خرید

سال بھر کے شدید ابتلا کے بعد دفعتہ قلب نور ایمان سے مشرف ہوا، اور ارادت مند پھر جمع ہوگئے اور ان کے جلو میں بیت اللہ کی راہ لی۔ ص ۱۲۲۔ ۴۹

اس کے مقابلے میں سرمد کا ابتلا سبک ترین ہے، یہاں نہ تقویٰ و طہارت کا گھمنڈ تھا نہ علم و اتباع سنت کا غرہ اور نہ ارادت مندوں کا جھرمٹ (مستقل) شغل تجارت تھا اور دانش (مندی) کا پندار، اس لیے وہ جو دلوں کو دیکھتا ہے، اس کے فیض ربوبیت نے بقدر عارضہ ہی تنقیہ کیا، "کل یوم ھو فی شان" برہمن زادے کے وجود میں اس کی کسی شان کی پرچھائیں پڑی اور "از سرش ہوش در گزشت" کا معاملہ مستولی ہوگیا۔

سرمد کا عشق خبث سے منزہ جاذبہ حق تھا، اس کا اثر بھی خبیث عشقوں سے جدا بلکہ ممتاز تھا۔ عشق کی چوٹ بیک نظر دونوں دلوں پر یکساں پڑی، حقیقت سے ناآگاہ پندار دانش تھا: تنقیہ بھی بقدر پندار ہوا خود رسیدہ ربودگی میں غرق کر دیئے گئے۔ عنایت ربوبیت نے سرمد کو گھائل کرنے اور گھائل ہو جانے والے کے والدین کو بھی

دونوں کی حالت سے متاثر کیا' سرمد کے لیے اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا۔ بیٹا مسلمان ہوگیا' انہوں نے اس کو بھی قبول کیا' اس کا عشق اس مرتبہ کمال کو پہنچا کہ "آں پسر یا آں ہمہ ثروت از ہمہ اعراض کردہ بہ عاشق ہم رنگی بہم رسانید (نتائج الافکار' ص ۴۳۵)

ابھے چند کے والد کو سرمد کی فریفتگی کی خبر ہوئی تو انہوں نے سرمد کو اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی۔ ابھے چند ان سے اتنا متاثر ہوا کہ چند روز میں مسلمان ہو گیا اور ان سے اکتساب علم کیا۔ سرمد اس قدر مغلوب الحال ہوئے کہ بے خودی میں عریاں ہو گئے۔ اسی حالت میں صحرا نوردی کرتے ۱۰۵۹ھ کے لگ بھگ ٹھٹھ سے حیدر آباد پہنچ گئے۔ (دبستان ص ۱۹۰) یہیں صاحب دبستان مذاہب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ صراحتہ تو یہ مذکور نہیں کہ ابھے چند ان کے ساتھ تھا یا وہ تنہا (حیدر آباد) پہنچے' لیکن صاحب دبستان نے یہیں ابھے چند کے فارسی ترجمہ تورات کی سرمد سے تصحیح چاہی تھی' اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ابھے چند ان کے ساتھ تھا اور جب انہوں نے سرمد سے یہودیت سے آگاہی حاصل کرنا چاہی تو ابھے چند نے اپنا فارسی ترجمہ ان کو دیا۔

تذکرہ میرزا طاہر نصیر آبادی (ص ۱۵۹) کے مطابق حیدر آباد میں اس وقت کے ایک نامور فاضل شیخ جان محمد سے ربط ضبط ہوگیا' وہ عبداللہ قطب شاہ کے شیخ تھے' سرمد نے ان کی مدح میں ایک قطعہ کہا' ایک بیت ہے:

اے کہ مدار عرش را دائرہ عظمی
کمر دہ بخدمت تو صدہم چو سپہرنوری

صاحب دبستان کہتے ہیں (ص ۱۹۵) : "ایک دن سرمد کی مجلس میں حاضر تھا' ایک شخص نے شیخ جان محمد کی ستائش کی' سرمد نے کہا : شیخ کا اندوختہ سفر آخرت کی نذر ہو جائے گا اور میر محمد سعید میر جملہ ایک بڑا منصب پائیں گے۔ شیخ جان محمد ۱۰۹۹ میں حج کرنے گئے اور بندرگاہ مخا پہنچ کے فوت ہوگئے۔ عبداللہ قطب شاہی سے بگڑ کے میر جملہ دلی چلے آئے' عالم گیر نے ان کو پنج ہزاری منصب پر سرفراز کیا۔ (مآثر ۲/۵۳۱۔۵۴)

اس کے بعد سرمد اچانک حیدر آباد سے (۱۰۶۷ کے لگ بھگ) شاہ جہاں آباد کے بازاروں میں اپنی اسی شان وارفتگی میں وارد پائے جاتے ہیں اور ان کی آمد سے پہلے ہی ان کی شہرت شاہ جہاں آباد پہنچ جاتی ہے اور مخلوق ان کی زیارت اور کلام سننے (کے لیے) امنڈ پڑتی ہے۔ داراہ شکوہ ان سے ملتا ہے اور شاہ جہان سے ان کے

کشف و کرامات کا ذکر کرتا ہے۔ بحکم شاہی عنایت خان آپ کی تحقیق حال پر مامور ہوتے ہیں اور بادشاہ کے حضور حاصل تحقیق پیش کرتے ہیں:۔

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است
کشفے کہ ظاہر است ازو کشف عورت است

برنیر' (اپنے سفرنامہ (میں لکھتے ہیں) : میں سرمد نامی ایک مشہور فقیر سے نافر رہا جو دلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں مادر زاد برہنہ پھرتا تھا۔ عالم گیر نے اس کو بہت تہدید کی مگر اس نے کپڑے نہ پہنے۔ آخر اسی وجہ سے اس کا سر قلم کیا گیا۔ (در بیان عقائد ہنود و فقرا ہنود) ص ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴

ملا شیخ عبدالقوی المخاطب بہ اعتماد خاں (اورنگ زیب کے قاضی القضاۃ) کو سرمد کی ستر پوشی پر مامور کیا گیا۔ اعتماد خاں جید عالم تھے اور ۲ ہزاری منصب رکھتے تھے۔ ملا نے سرمد کو طلب کیا' پوچھا:

"عریاں چرامی باشی"

سرمد نے جواب دیا:

"شیطان قوی است"

سرمد کو علمائے وقت نے قتل کر دینے کا فتویٰ دیا' بادشاہ نے فتویٰ پر امضا (دستخط) کر دیا۔ جلاد کو دیکھ کر سرمد نے کہا:

سر جدا کرد از تنم شوخیکہ باما یار بود
قصہ کوتاہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

عاقل خان رازی نے اپنی مختصر تاریخ عالم گیری میں لکھا ہے:

"جب سرمد کے قتل (کے لیے) جلاد آگے بڑھا تو اس نے بے تکلفی و بے غمی سے یہ شعر پڑھا:

عریاں تنی بود غبار رہ دوست
آں نیز بہ تیغ از سرما وا کردند

(شیر خان کی) مرآۃ الخیال میں ہے (ص ۲۱۶) : سرمد را تکلیف لباس کردند و اواز فرط مالی خولیا تن درنداد و فی شہور سنہ الف و احدی و سبعین بہ تیغ امر شریعت غراء مقتول شد' وعمدہ در کشتن سرمد ایں رباعی بود کہ ازو شائبہ انکار معراج لازم آید"

(سرمد سے لباس پہننے کے لیے کہا گیا' لیکن اس نے فرط جنوں سے ایسا نہ کیا'

چنانچہ ۱۰۷۱ھ میں تیغ شریعت سے اس کا سر قلم کیا گیا' سرمد کے قتل کا باعث یہ رباعی بنی' جس سے انکار معراج لازم آتا تھا)

محمد افضل سرخوش صاحب کلمات الشعراء (نے لکھا) ہے: "انہیں (سرمد) عالم گیر کی تخت نشینی کے آغاز میں الحاد و عریانی اور علماے وقت کے فتویٰ کی بنا پر قتل کر دیا گیا۔"

ریاض العارفین (ص ۱۴۰) اور تذکرہ حسینی (ص ۱۴۵) میں قتل سرمد کی علت ملا عبدالقوی کا حسد اور کینہ اور عالم گیر کی ناراضی متعین کی گئی ہے۔ ملا عبدالقوی کے حسد و کینے کا بڑا سبب سرمد کی مقبولیت اور اس کا علم و فضل تھا۔

کینے کا سبب یہ ہو گیا کہ سرمد سے عریانی کی پرسش ہوئی تو بقول صاحب "ریاض العارفین" : وہ (سرمد) قاضی (قوی) کے مقصد سے آگاہ تھا' کہا : شیطان "قوی" ہے۔ چوں مقصود وے رامی دانست' گفت : "شیطان قوی است" اور یہ رباعی انشاد کی:

خوش بالائے کردہ چنیس پست را
چشمے بہ دو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش
دزدے عجبے برہنہ کردہ است مرا

(خوش قامت محبوب نے مجھے اس قدر مدہوش کر دیا ہے کہ شراب معرفت کے دو جام پلا کر مجھے خود مجھ سے چھین لیا ہے' میں جس کی تلاش میں ہوں' وہ میرے پہلو میں جلوہ گر ہے' یہ چور بھی عجیب ہے' جس نے مجھے عریاں کر دیا ہے۔)

(اسی قسم کی ایک خوب صورت دعا شہید عشق منصور حلاج سے بھی مروی ہے۔ حداد المصری نے لکھا ہے کہ میں ایک چاندنی رات میں احمد بن حنبلؒ کی قبر پر گیا تو مجھے دور سے ایک آدمی رو بقبلہ نظر آیا۔ میں چپکے سے اس کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ حسین بن منصور (منصور حلاج) ہے' رو رہا ہے اور خدا سے کہہ رہا ہے:۔ "اے وہ ذات! جس نے مجھے اپنی محبت کی شراب پلا کر مدہوش کر دیا ہے اور اپنے قریب بلا کر حیرت و واماندگی کی وادیوں میں لا کے چھوڑ دیا ہے صرف تو ہی ہے جو تخت قدم پر جلوہ گر ہے ..... (خدایا) میں اس پاک و برگزیدہ مٹی اور بلند مقامات کے تقدس کے

نام پر (امام احمد بن حنبل کی تربت اور ان کے مقامات) آپ سے التماس کرتا ہوں کہ تم نے مجھے مجھ سے چھین لیا ہے' اب مجھے میری طرف واپس نہ کرنا اور میرے نفس کو مجھ سے اوجھل کر کے دوبارہ اسے مجھ سے روشناس نہ کرانا"۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ اس قسم کی ایک مناجات ابوالکلام آزاد سے منقول ہے وہ ایک دفعہ مدراس کی ایک چاندنی رات میں سبزہ پر سر بہ سجود تھے۔ صاحب خانہ اچانک بیدار ہوئے اور مولانا کو کمرے میں نہ پاکر پریشان ہوئے' باہر نکلے کہ دیکھا کہ مولانا لان میں سبزے پر چاندنی چادر پر سجدہ ریز ہیں' جب ایک وقت تک مولانا جذب و مستی کی حالت میں رہے' تو انہیں (صاحب خانہ) تشویش ہوئی۔ انہوں نے مولانا کو آوازیں دیں' تو مولانا نے سر اٹھایا اور کہا: تم مجھے میری دیوانگی پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ ابن خلدون نے سچ کہا تھا کہ زندگی کی کہانی ایک ہے' لیکن نام بدل بدل کر سامنے آرہی ہے' سرمد نے منصور حلاج کے بارے میں کہا تھا کہ آوازہ منصور کی گونج مدھم ہوگئی ہے اب مجھے حکم ملا ہے کہ اپنے خون سے دار و رسن کے چہرے کو تابناک بناؤں: "من از سرنو جلوہ دہم دار و رسن را" ' سرمد کے بعد ابوالکلام نے اس صدی کے آغاز میں سرمد اور ابن حنبل کی حق گوئی اور اس راہ میں آنے والی مشکلات پر بڑے زور سے لکھا اور اعلان کیا: "جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے" تفصیل کے لیے دیکھیے' اخبار حلاج مرتب کردہ ماسینوں' پیرس ۱۹۳۶ اور رضی الدین کی کتاب ابوالکلام آزاد' دہلی)

عالم گیر کی برہمی کا سبب ریاض العارفین ' ریاض الشعرا اور مخزن الغرائب میں یہ مذکور ہے کہ سرمد نے دارا شکوہ کو بادشاہی کا مژدہ سنایا تھا۔ دارا شکوہ کی بدانجامی کے بعد عالم گیر نے سرمد سے کہا: تم نے تو دارا شکوہ کو بادشاہی کا مژدہ سنایا تھا وہ غلط ثابت ہو گیا۔ سرمد نے جواب دیا: "نوید سلطنت درست ہے' اسے ابدی شاہی نصیب ہوئی' لیکن یہ (کہانی) محض خیالی ہے۔ عالم گیر نادان نہیں تھا' اس نے دارا شکوہ کے حامیوں کو نوازا۔ جسونت سنگھ کی پے در پے خطاؤں سے درگزر کی۔ ملا عبدالقوی کے مشورے کو رد کر دیا کہ عریانی مستلزم قتل نہیں۔

ملا عبدالقوی نے (سرمد پر) عریانی کا جرم قائم کر کے قتل کا مشورہ دیا عالم گیر باوجود ناراضگی سمجھتا تھا کہ سرمد کو قتل کر دینا آسان کام نہیں ہے' سارا شاہ جہاں آباد اس کا

معتقد ہے' بغیر معقول وجہ قتل کیا گیا تو ہنگامہ برپا ہوجائے گا۔ اس نے کہا عریانی وجہ قتل نہیں ہوسکتی۔ تمام علماء جمع ہو کر قتل کا فتوی دیں تو اس پر عمل کیا جائے گا' علما کا اجتماع ہوا (ریاض الشعرا' ریاض العارفین) سرمد بھی طلب کیے گئے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے: عالم گیر بھی اس اجتماع میں شریک تھا' اس نے سرمد سے عریانی کا سبب پوچھا' سرمد نے جواب دیا۔

آں کس کہ ترا سریر سلطانی داد
مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا کہ عیبے دید
بے عیباں را لباس عریانی داد

(جس ذات نے تمھیں تخت سلطانی عطا کیا ہے' اسی نے ہمیں اسباب پریشانی سے نوازا ہے۔ جس میں عیب نظر آیا' اس کو اس نے لباس دیا۔ بے عیبوں کو اس نے لباس عریانی دیا)۔

ریاض العارفین' تذکرہ حسینی اور مخزن الغرائب میں ہے:۔ سرمد کے متعلق مشہور تھا کہ وہ صرف "لاالہ" کہتے ہیں' دربار میں اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو انہوں نے حسب عادت لاالہ کہا۔ علما نے کہا یہ جائز نہیں' سرمد نے جواب دیا:۔

"میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں' مرتبہ اثبات میں نہیں پہنچا"۔ علما نے ستر پوشی اور پورا کلمہ پڑھنے کو کہا' سرمد نے پھر وہی جواب دیا۔ علما نے کہا ایسا کہنا کفر ہے' اگر کہنے والا توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور قتل کا فتوی صادر کردیا۔

شاہ اسد اللہ علیہ الرحمتہ سرمد کے پرانے رفیق اور صاحب دل بزرگ تھے' وہ فتوی قتل کے بعد سرمد کے پاس گئے اور کہا: کپڑا پہن لو اور لا الہ الا اللہ کہہ دو کہ جاں بخشی ہوجائے۔ سرمد نے ایک نظر اس کو دیکھا اور بیت انشاد کی:۔

عمر یست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

(ایک مدت گزری کہ منصور کا نعرہ حق پرانا ہوگیا۔ میں از سر نو دارورسن کو جلوہ گاہ بنا رہا ہوں)

سرمد فتوی کے بعد جب قتل گاہ کی طرف چلے تو ہجوم کے سبب رستہ چلنا دشوار ہوگیا' بقول ریاض العارفین اس اطمینان و سکون کے ساتھ مقتل کی طرف جارہے تھے

کہ قلعے سے مسجد تک پہنچتے سرمد نے بیسیوں رباعیاں کہہ ڈالیں۔
شہادت گاہ پہنچنے کے بعد جلاد جوں ہی تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا' انہوں نے مسکرا کر یہ بیت کہی۔

رسیدہ یار عریاں تیغ ایں دم
بہر رنگے کہ آئی می شناسم

(تم جس شکل میں بھی آؤ میں تمہیں پہنچانتا ہوں)

اور یہ فقرے کہے:۔ ایں جلوہ است کہ دیگر بکار مامی کنی و بر سرپائے من نشیند کہ گردن مامی زند۔ (تذکرہ حسینی)

مرآۃ الخیال اور تذکرہ طاہر نصر آبادی میں ہے:۔ اس کے بعد یہ ابیات انشاد کیں اور مردانہ وار سر تلوار کے نیچے رکھ دیا۔

شورے شد واز خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

(ایک شور اٹھا اور ہم نے خواب عدم سے آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ شب فتنہ ابھی تک باقی ہے' دوبارہ سوگئے)

حضرت شیخ ابن عربی اپنی تحریروں میں آں حضرت کی یہ حدیث اکثر رقم کرتے ہیں'جس میں آپؐ نے فرمایا "الناس نیام فاذا ماتوا' فانتبھوا" لوگ سوئے ہوئے ہیں 'جب ان پر موت وارد ہوگی' تو وہ بیدار ہوجائیں گے۔)

سرجدا کرد از تنم شوخ کہ بامایار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

جامع مسجد کے پہلو میں سرمد قتل کیے گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ ریاض العارفین اور تذکرہ حسینی میں ہے کہ سرمد نے زندگی میں لاالہ سے زیادہ نہیں کہا' لیکن شہادت کے بعد لوگوں نے سنا کہ سرکشتہ سے تین بار "لاالہ الا اللہ" کی صدا بلند ہوئی۔ والہ داغستانی (صاحب ریاض الشعرا) کہتے ہیں کہ ایک ثقہ جماعت سے سنا گیا کہ سرمد کا سر مقتول بہت دیر تک کلمہ پڑھتا رہا۔ لیکن سرمد کی یہ رباعی اس افسانہ تراشی کی مسکت تغلیط ہے کہ زندگی میں کبھی لاالہ سے زیادہ نہیں کہا۔

افسوس به تقدیر نه برایم پناه
زاندیشه و تدبیر شد احوال تباه
مغرور مشو به قوت و قدرت خویش
لاحول ولا قوة الا بالله

والہ داغستانی نے لکھا ہے :۔ راقم الحروف (والہ داغستانی) کئی بار مزار سرمد کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ پورے سال ان کی قبر کے سبزے میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ سچ یہ ہے کہ منصور ثانی (سرمد) کی زیارت سے ایک عجیب فیض حاصل ہوتا ہے۔

خیام کے حالات میں ہے کہ وقت آخر اس کی زبان میں یہ مناجات تھی:۔
"اللھم! تعرف انی عرفتک علیٰ مبلغ امکانی فاغفرلی فان معرفتی ایاک وسیلتی الیک"۔
(اے میرے اللہ تو جانتا ہے اپنے امکان بھر میں نے تجھے جانا' پس میری مغفرت فرما' تیری معرفت ہی تیری طرف میرا وسیلہ ہے۔(۷)

سرمد لکھتا ہے:۔

افسوس که کهنش بخیالم رسید
اندیشه دریں بادبه بسیار دوید
بر روئے خیال خام حیراں شده ام
بر پرده عنکبوت صورت که کشید

آساں نه بود بفهم فهمیدن او
مشکل به دل و دیده بود دیدن او
دیوانه به دل و دیده بسے حیران است
دریا فتن و دیدن و سنجیدن او

سرمد حکیمانہ رباعی گوئی تک ہی خیام کا تبع ہے۔ خیالات میں یکسر خیام کا تبع نہیں (دونوں میں وہی فرق ہے جو شیخ ابوسعید اور ابن سینا یا رومی اور رازی میں ہے' واقعہ یہ ہے کہ خیام کا مقارنہ ابوالعلاء معری سے کیا جاسکتا ہے۔ دونوں اہل نظر میں سے تھے' دونوں کو عرفان حقیقت کی راہ میں اپنے ادارک کی واماندگی و نارسائی کا ادراک ہوا' تو پکار اٹھے' معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد' منصور و سرمد کا معاملہ ان

دونوں سے یک قلم مختلف ہے، جیسا کہ مرحوم مولانا نے فرمایا ہے۔) خیام کہتا ہے:۔

خیام زبہر گنہ این ماتم چیست
وزخوردن غم فائدہ بیشتر و کم چیست
آں راکہ گنہ نہ کرد غفراں نہ بود
غفراں زبرائے گنہ آمد غم چیست

بخلاف اس کے سرمد کہتا ہے:۔

ہر شام و سحر در غم افعال خودم
ول خستہ و شرمندہ احوال خودم
آیا چہ بود مآل کارے کہ نہ شد
پیوستہ در اندیشہ اعمال خودم

خیام کہتا ہے:۔

بر خیز و بیابہ ناز بہر دل ما
حل کن بجمال خویشتن مشکل ما
یک کوزہ زمے بیار تانوش کنیم
زاں پیش کہ کوزھا کنند از گل ما

مراۃ الخیال میں سرمد کی یہ غزل ہے:۔

سوخت بے وجہم تماشا را بہ بیں
کشت بے جرم مسیحا را بہ بیں

(دیکھیے، عجب تماشہ ہے، بے وجہ مجھے جلایا گیا۔ اچھا مسیحا ہے! بے خطا مجھے قتل کردیا)

تذکرہ نصرآبادی میں غزل کی بیتیں نقل ہیں:۔

ہم چو دور افتادہ کافر رسدبریار خود
دست تادر گردن من کرد تیغش خوں گریست
گرم عتاب چوں شود دیدہ بپوشم از رخش
پردہ کشند مرد ماں چوں شود آفتاب گرم

(محبوب جب سرگرم عتاب ہوتا ہے تو اس کے رخ سے اپنی نگاہ ہٹا لیتا ہوں اس

لیے کے جب سورج کی حدت بڑھ جاتی ہے، لوگ پردہ کھینچ لیتے ہیں۔)

اے گل شوخ دو روزے بحیا باش کہ سرو
شد جوانے ونہ دانست کہ بازار کجاست

فرحۃ الناظرین میں یہ بیت نقل ہے:۔

دوش در آغوش شبنم خفتی اے گل تا سحر
ناز بہ بلبل مکن دیگر کہ تر دامن شوی

(اے پھول! کل تو شبنم کی آغوش میں صبح تک سویا۔ اب بلبل پر اعتراض کیسا کہ تو بھی تو تردامن ہے)

سرمد نے کہا ہے کہ وہ غزل میں حافظ کا اور رباعی میں خیام کا متبع ہے[۸]۔ اس کی غزل کے مندرجہ بالا اشعار کی بنیاد پر اتباع حافظ کا فیصلہ تو نہیں کیا جاسکتا لیکن رباعی میں خیام کا اتباع نمایاں ہے۔

خیام کہتا ہے:۔

ساقی مے معرفت مرا مکرمت است
در مشرب بے معرفتاں معصیت است
بے معرفت آدمی چہ کار آید ہیچ
مقصود ز آدمی ہمیں معرفت است

سرمد لکھتا ہے:۔

ہر گز بخدا زہد ریائی نہ کنم
غیر از در معرفت گدائی نہ کنم
شاہی کنم و ملک فراغت گیرم
پیوستہ بہ مے خانہ جدائی نہ کنم

خیام کہتا ہے:۔

کنہ خردم درخور اثبات تو نیست
واندیشہ من بجز مناجات تو نیست
من ذات ترا بہ واجبی کے دانم
دانندہ ذات بجز ذات تو نیست

(میں تیری ذات کو واجب الوجود کیوں جانوں۔ حق یہ ہے کہ تیری ذات کے علاوہ تجھے کوئی نہیں جانتا)

حواشی

۱۔ مآثر الامرا (۱ ۲۲۵۔۲۷) میں شاہنواز نے ذکر سرمد میں لکھا ہے :- صحیح بات یہ ہے کہ سرمد کے قتل کا سبب دارا شکوہ کی ہم نشینی تھی، ورنہ اس جیسے برہنہ مجذوب اور ہرزہ گو ہر گلی کوچے میں گھومتے پھر رہے ہیں۔ (وراست آں کہ عمدہ سبب قتل او مصاحبت دارا شکوہ بود، والا مثل او مجذوب برہنہ ہرزہ گویاں در ہر کوچہ و برزان .... می گردند)

۲۔ مولانا نے یہاں دکن لکھا تھا۔

۳۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرمد پر فارسی ادب میں موجودہ سرمایہ میں شاہجہانی دربار کے ایک امیر معتمد خان نے اپنی قلمی یادداشت چھوڑی تھی۔ جو ایک طویل مدت تک اہل علم کی نظر سے اوجھل رہی۔ مولانا نے اپنی سعی پیہم سے بانکی پور، پٹنہ کی لائبریری میں اس کا سراغ لگایا اور اسے "معارف" اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۲۷ء میں "سرمد کی زندگی کا ایک کہنہ ترین ورق" کے نام سے شائع کرایا۔ معارف کے فاضل ایڈیٹر مرحوم سید سلیمان ندوی نے اپنے نوٹ میں لکھا کہ یہ تحقیق، ہمارے ایک لائق دوست مولوی ابوالخیر صاحب رحمانی نے کی ہے۔ یہاں سید ابوالخیر کے نام کے ساتھ لفظ مودودی کی بجائے رحمانی لکھا گیا ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ سید صاحب مرحوم کے قلم سے یہ چوک ہوئی ہے، یا پھر خود سید ابوالخیر نے تصوف اور سرمد سے اپنے تعلق کو چھپانے کے لیے رحمانی کا نقاب اوڑھ لیا ہے۔ مولانا (سید ابوالخیر مودودی) کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ اپنے سوز دروں اور واردات پر کڑی نگاہ رکھتے اور انہیں بیرون پردہ آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس طریق سے وہ اپنی عارفانہ شخصیت کو لوگوں کی نگاہ سے اوجھل رکھنے میں کامیاب رہتے، ان کی ظاہری وضع قطع اور "قلندرانہ روش" سے اچھے خاصے لوگ ان کے مقام کا صحیح اندازہ نہ لگا سکے، اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برصغیر کے معروف دانش مند مولانا مناظر احسن گیلانی، جو ارباب ذوق

میں سے تھے، اپنے ایک خط بنام سید ابوالخیر لکھتے ہیں :- آپ سے (سید ابوالخیر) زندگی کی آخری منزل میں رابطہ قائم ہوا، آپ کی فکر و نظر کے توازن صحیح کا اندازہ دکن کے ماحول میں نہ کر سکا، جس کا افسوس ہے، فقیر بھی کش مکش مرگ و زیست میں اپنی مقررہ سانسیں پوری کر رہا ہے۔" ایک دوسرے خط مورخہ یکم جنوری ۱۹۵۹ء میں مولانا گیلانی پھر اسی افسوس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- "(گذشتہ) دنوں میں بھی آپ کے ساتھ اتنی مناسبت تھی، اس کا علم نہ تھا، دکن کے دنوں میں ان مناسبتوں پر متنبہ نہ ہوا، ورنہ اچھی گزر جاتی۔ داعی ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کو اتنی قوت تو عطا فرماتے رہیں کہ جو کچھ سوچا گیا ہے۔ وہ پورا ہو۔ فقیر گردابی چکروں میں اسی طرح تہ و بالا ہوتا رہتا ہے۔ بس ان اجل اللہ لات، کا انتظار ہے۔ بہ قول امام شافعی :- "لکل ساقتہ لاقطتہ، کا جو تماشا آپ نے دکھایا اور دوسرے نوازش نامہ میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے مولانا حالی کا وہ شعر یاد آ گیا :-

تسلیم نے دی کچھ اس طرح داد سخن
مجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

اگر مولانا کا یہ مسودہ بھی وقت کے ہاتھوں غارت ہو جاتا، تو معارف میں ابوالخیر "رحمانی" کی شخصیت اور ایسے ہی حلاج و سرمد سے مولانا کے گہرے تعلق پر پردہ پڑا رہتا۔

۴۔ معتمد خان کی قلمی یادداشت فارسی میں ہے۔ ہم نے یہاں اردو ترجمہ پر اکتفا کی ہے۔

۵۔ مآثر الامراء میں شاہ نواز خان نے ملا قوی کے۔ جو سرمد کے قتل میں پیش پیش تھے۔ علم و فضل اور بادشاہ سے اس کے قریبی تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ ملا موصوف کے مزاج اور طور اطوار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- "انہوں نے (ملا قوی) کبھی بھی کسی کے بارے میں کلمہ خیر نہیں کہا، انہوں نے فیاضی اور فیض رسانی کے دروازے بند کر رکھے تھے، بادشاہ کی قربت اور استادی سلطان کے پندار نے انہیں انسانوں کے مسائل سے بے تعلق اور ان کے فخر و مباہات میں اضافہ کر دیا تھا (آفت پہ آفت یہ ہوئی) کہ فقہ و تفسیر سے لگاؤ نے ان میں انتہائی تعصب و تشدد پیدا کر دیا تھا۔" (امابرائے ہیچ کس کلمتہ الخیر نمے گفت وباب فیاضی و فیض رسانی مسدود می داشت، بناء بر تقرب سلطانی و پنداری استادی بادشاہ اعتنا بشان مردم نمی کرد، تعلی و تبختر زیادہ می نمود و از غایت تفقہ و تفسر نہایت تشدد و تعصب داشت (ص ۲۲۵-۲۷)

۶۔ یہاں سرمد پر دبستان مذاہب، مرآۃ الخیال اور ریاض الشعراء کے اندراجات کا اردو ترجمہ دیا

جا رہا ہے، فارسی متن، جو مولانا نے مقالہ میں دیا ہے، حاشیہ میں دے دیا گیا ہے۔ مولانا نے سرمد پر فرحتہ الناظرین، مفتاح التواریخ، تذکرہ شمع انجمن، نتائج الافکار اور کلمات الشعراء کے اندراجات بھی دیے ہیں، ان اندراجات میں کوئی نئی بات نہیں ہے سرمد پر پہلی بنیادی کتابوں کے اندراجات کو دہرا دیا گیا ہے، اس لیے ہم نے یہاں ان اندراجات کو حذف کر دیا ہے، البتہ مآخذ میں ان ثانوی مصادر کا ذکر کر دیا ہے۔

۷۔ بیہقی نے خیام کی موت پر لکھا ہے کہ وہ ابن سینا کی کتاب الشفا کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جب وحدت اور کثرت کی بحث پر پہنچا تو اس قدر متاثر ہوا کہ کتاب ایک طرف رکھ دی، اٹھا، نماز پڑھی، کھانا پینا چھوڑ دیا۔ پھر عشاء کی نماز پڑھی اور سجدے میں بار بار اسی دعا کو پڑھتا رہا۔ اور جان بحق ہو گیا (تتمہ صوان الحکمۃ، لاہور ۱۹۳۵ء ص ۱۱۲، ۱۴۹۔ مرتب مولوی محمد شفیع)

۸۔ سرمد نے اپنی ایک رباعی میں کہا ہے۔ مجھے کسی کے فکر و خیال سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہاں غزل میں حافظ اور رباعی میں خیام کا پیرو ہوں۔

بافکر و خیال کس نباشد کارم　　در طور غزل طریق حافظ دارم
امابہ رباعی ام مرید خیام　　نہ جرعہ کش بادہ او بسیارم

شبلی اور سید سلیمان ندوی نے خیام کے فلسفہ اخلاق اور اس کی پاکیزگی فکر و نظر پر تفصیل سے لکھا ہے، شبلی کی رائے میں "خیام کا فلسفہ اخلاق زہاد و علما کے فلسفہ اخلاق سے نہایت بلند ہے۔" لیکن وقت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ خیام بایں علم و فضل اور بلندی اخلاق ارباب ظواہر کی تکفیر کا نشانہ بنا، شبلی نے سچ کہا ہے :- "امام غزالی، رازی، محی الدین ابن عربی، شیخ الاشراق، ان میں سے ہر شخص فقہا کی تفکیر کا زخم خوردہ ہے۔" تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شعر العجم اور عمر خیام، دونوں کتابیں اعظم گڑھ سے چھپی ہیں۔

(رشید احمد)

ISLAMIC IDEOLOGY

(اسلامی نظریۂ حیات)

تصنیف: ـــــــــــ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

موجودہ وقت میں مغرب کے فلسفۂ مادیّت نے نہ صرف مغرب میں بلکہ مشرق میں بھی جو انسانی تاریخ میں قدیم زمانے سے روحانی و اخلاقی تہذیبوں کا گہوارہ ہے، اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کر لیا ہے، جس کے نتیجے میں انسان روحانی طور پر قلق و اضطراب کا شکار ہے اور زندگی کی غرض و غایت سے بے گانہ ـــ انسان کو اپنی بھولی ہوئی منزل سے آشنا کرانے کے لیے جن اہل علم نے کامیاب تحریریں سپرد قلم کی ہیں، ان میں پاکستان کے معروف سکالر مرحوم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بھی شامل ہیں، جنھوں نے دل نشین انداز میں انسان کے اخلاقی اور اجتماعی مسائل کی وضاحت کی ہے اور خوب صورت طریقے سے اپنی انگریزی کتاب ISLAMIC IDEOLOGY (اسلامی نظریۂ حیات) میں اسلام کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ یہ کتاب ایک عرصے سے نایاب تھی، اب اہل علم کے مطالعے کے لیے اسے پھر شائع کر دیا گیا ہے۔

طباعت، کاغذ، جلد، سرورق شان دار۔

صفحات: ۴۲۴ ـــــــــــ قیمت: ۱۵۰ روپے

ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

حیات سرمد پر تین فارسی مآخذ کے متون

نامہ نگار .... در سال ہزار و پنجاہ و ہفت چوں بحیدر آباد رسید با محمد سعید سرمد آشنا شد، واو دراصل از نژاد دانشوران یہوداست از گروہے کہ ایشاں را ربانیون گویند، بعد از اطلاع بر عقائد ربانیون و قرات توریت مسلمان شد و حکمیات در خدمت خردمندان ایران چوں ملا صدرا و میرزا ابوالقاسم قندرسکی وجمعے دیگر خواند، انجام بر آئین تجار از راہ دریا عازم سفر ہند شد، چوں بشہر تتہ رسید، عاشق ابھے چند ہندو پسرے شد و دست از ہمہ چیز باز داشتہ چوں سناسیاں برہنہ مادر زاد شدہ بر در معشوق نشست، پدر مطلوبش بعد از اطلاع پاکیز گئی عشق سرمد، سرمد را بخانہ خود راہ داد و پسر نیز با او تعلقے بہم رسانید کہ اصلا از وے نمی تواند جدا شد و توریت و زبور و صحائف دیگر ہمہ را از سرمد خواند و ایں بیت ازاں ہندو پسر است :-

ہم مطیع فرقانم ہم کشیش درہبانم   ربی یہودانم کافر مسلمانم

ربی دانا را گویند، ربانیون جمع آنست، در بنی اسرائیل پوشانیدن عورتین ضروری نبودہ، واز سرمد شنیدہ شد کہ اشعیاء پیغمبر نیز در آخر عمر برہنہ می بود، و سرمد خداوند اشعار نیکومت، ایں چند بیت از اوست۔

رباعی۔

سرمد کہ ز جام عشق مستش کردند   خواندند سرافرازش و پستش کردند
می خواست خدا پرستی وہشیاری   مستش کردند وبت پرستش کردند

درمدح رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم)

اے از رخ تو شکستہ خاطر گل سرخ   باطن ہمہ خون دل و ظاہر گل سرخ
زاں دیر تر آمدی ز یوسف کہ بباغ   اول گل زرد آمد آخر گل سرخ

ایزد بتر از وے قدر با خورشید   چو جنس نکومی رخت می سنجید
ایں بس کہ گراں بود نجنبد ز جا   و آں بسکہ سبک بود بر افلاک رسید

فرد: سرمد که عندلیب است پروای زر ندارد
یارش گل است و گل را یکمشت زر ضرور است

فرد: در کعبه و بت خانه سنگ او شد چوب او شد
یک جا حجر اسود یک جا بت هندو شد

در مدح شیخ محمد خاں پیشوائے دارائے نامدار سلطان عبداللہ قطب شاہ گفتہ، قطعہ

اے کہ مدار عرش را دائرہ عظیم — کردہ بخدمت تو صد ہم چو سپہر نوکری
نصف نہار دار کن شام من غریب را — گر بجناب قطب چوں نصف نہار برخوری

شیخ بصحبت سرمد رغبت نمود، روز یکہ نامہ نگار از حضار بود با جیران نامی کہ ستایش شیخ می کرد، گفت عنقریب آنچہ شیخ اندوختہ باشد متوجہ سفر خواہد شدہ و میر محمد سعید میر جملہ بمرتبۂ والا ترقی خواہد نمود۔ در ہمیں سال شیخ بعزم حج از حیدر آباد رواں شد، در ہزار و پنجاہ و نہ در بندر مخا روحش از سفینہ تن بمحیط اطلاق پیوست

دبستان مذاہب، ص ۱۹۴ - ۱۹۵
از ذوالفقار اردستانی

سرمد

مرآة الخیال

اصلش از فرنگستان است و ارمنی بودہ، بمدد طبع دراک تحصیل فنون شتی نمودہ، بکسب تجارت پرداخت و مالی فراواں گرد آورد، وقتی در اثنائی سیاحت بشہر تتہ افتاد، درانجا سلطان عشق بوساطت ہندو پسرے بر ملک دلش استیلا یافتہ متاع ہوش و خرد را کہ راس المال خزانہ بشریت است، بتاراج برد و در آں جوش برونی و آویزش درونی ہر چہ داشت بیغائیاں سپرد حتی ستر عورت بر خود نگذاشت ازاں باز ہموارہ برہنہ زیستے و بول و غایط در نظر خلق کردی، چوں خاطر سلطان دارا شکوہ بجانب مجانین میل داشت، صحبت باوے در گرفت و مدتے با ترصیفات و سرخوش بود تا آں کہ روزگار طرح دیگر انداخت و در سنہ ہزار و شصت و نہ اورنگ خلافت و

جهانداری بوجود فیض آمود ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالم گیر پادشاه غازی خلد الله ملکه و سطانه مزین گردید و آوازه خدا پرستی جهاں را فرو گرفت، رسوم اکبری و جهاں گیری بر افتاد و بد عتهائی داراشکوه و مراد بخش یکسو شد، از ہیبت دره عدلی کافر کیش خوباں در محراب ابرو مستعد نماز گردید، از نهیب محکمہ قضا غمزه خون ریز بتاں در حجره چشم چله نشیں گشت، عریاناں بلباس فاخر رسیدند و مردم لباسی از لباس ہز مستعار عریاں گشتند۔..............

دریں ہنگام خجسته آغاز فرخنده انجام که ہر روز دین مبین را رونقی تازه و ہر ساعت ملت بیضا را جلائے بے اندازه است، سرمد را تکلیف لباس کردند واو از سودامزاجی تن در نداده فی شهور سنة الف واثنین و سبعین به تیغ امر شریعت غرا مقتول گردید و عمده در کشتن سرمد ایں رباعی بود که ازاں شائبه انکار معراج لازم می آید :-

آنکه بسر حقیقتش یاور شد　　　خود پہن تراز سپهر پنهاور شد

ملا گوید که بر شد احمد بفلک　　　سرمد گوید سپهر دروی در شد

چوں سرمد را به کشتن گاه بردند و جلاد حاضر شد خواستند که بموجب دستور چشمهایش رابندند، سرمد ازاں منع کرد و بجانب جلاد نگاه کرده تبسم نموده گفت تو بهر صورت که می آئی من ترا می شناسم، و در آں حال ایں ابیات بخواند :-

شورے شد واز خواب عدم چشم کشودیم　　　دیدیم که باقی است شب فتنه غنودیم

سوخت بے وجهم تماشارا ببیں　　　کشت بے جرمم مسیحارا ببیں

زنده کش جاں نباشد دیده　　　گر ندیدستی بیامارا ببیں

اے که از دیدار یوسف غافلی　　　داغ یعقوب و زلیخارا ببیں

اے که از روز بدم در حیرتی　　　یک زماں آں روی زیبارا ببیں

شاه و درویش و قلندر دیده　　　سرمد سرمست رسوارا ببیں

(تذکره مرآة الخیال ص ۱۴۰-۱۴۲)

تاریخ اتمام ایں تالیف ازیں ابیات بر سبیل تعمیه معلوم می تواں نمود

ایں چمن زاریکه مرآة الخیالش خوانده ام　　　دارد از حسن معانی یک جهاں رنگ کمال

صورت تاریخ انجامش تواں بے پرده دید　　　گر تامل پرده بردارد ز مرآة الخیال

(۱۱۰۲ھ، یہ تذکرہ سرمد کے واقعہ قتل کے تمیں برس بعد مکمل ہوا

سرمد

(در ریاض الشعراء)

سعید اے سرمد از یہودیان کاشان است بشرف اسلام مشرف شده بود، در اوائل حال بتجارت اشتغال داشتہ در بندر سورت جذبہ از جذبات حق بوی رسیده او راازوی ربود، اسباب و اموال خود را بالتمام بغارت داده عریان گردیده سر بصحرا گذاشت، مدتی در بیابانہا در گردید آخر گزرش بشاہجہان آباد افتاد، محمد داراشکوه کہ دل داده شده بود ولی عہد شاہجہاں بادشاه بود، نہایت رسوخ و اعتقاد بوی داشت ووی را نیز نظر التفات بیاد شاہزاده بود چنانچہ روزی در مکالمات فرموده بودند کہ شما پادشاه خواہید شد، آخر الامر محمد اورنگ زیب کہ برادر کہتر محمد داراشکوه بود بتدابیر کہ شرح آں موجب اطناب میشود، بوالد خود خروج نموده غالب آمد و اورا از مہم سلطنت معزول داشتہ خود بر سریر فرماں روائی جلوس فرمود و برادران خودرا کہ محمد داراشکوه وغیره باشند مغلوب ساختہ ہلاک نمود، بنا بر آں مؤده کہ سرمد بداراشکوه داده بود مزاج اقدس از طرف وی انحراف داشت، بملاقوی کہ قاضی القضات عصر بودامر فرمودند کہ بزود نزد سرمد رسد و پرسد کہ باوجود کمال فضل و علم وجہ عریانی و مکشوف العورة بودن چیست، قاضی قوی بموجب امر اقدس رفتہ ازوی سوال کرد، در جواب گفت کہ شیطان قویست واین رباعی را بدیہہ خواند۔

خوش بالائی کرده چنین پست مرا
چشمی بدو جام برده از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش
دزد عجبے برہنہ کرده است مرا

ملاقوی سخت آزرده شد از نزدوے برخاست و بخدمت بادشاه آمده فتوی بر قتلش داد پادشاه فرمود اورا بدربار معلی حاضر ساختہ، فضلائی عصر باوی گفتگو کنند، اگر موجب حکم شرع قتلش لازم آمد بقتل رسانید۔ بفرموده پادشاه علما احضار نموده، او را حاضر ساختند۔ پادشاه پیغام نمود کہ وعده ماخلاف نہ بر آمد۔ خلاصہ ایں کہ ہر چند اور افضلا امر بتوبہ و پوشیدن لباس کردند، مقبولش نشد، آخر بحجت شرعی فتوی بر قتلش دادند، بکشتن گاہش فرستادند۔ گویند دراں وقت از دحام خلایق بمرتبہ شد کہ راه رفتن بدشواری می شد۔ از صحیح القوے شنیدم کہ از دربار تا بمقتل

رنسیدن بست و چہار رباعی گفتہ بود، خلاصہ در جنب مسجد جامع اورا گردن زدند و در ہمانجا دفن نمودند۔ راقم حروف بزیارت مزار وی مکرر مشرف شدہ ام، در چہار فصل سبزہ از تربتش کم نمی شود، والحق فیضی عجیب در زیارت آں منصور ثانی است ۔ گویند کہ در حینے کہ گردن وے رامی زدند کسانی مباشراں امر شدہ بود بسوی وی نظر کردہ فرمودند کہ " فدائے تو شوم بیا بیا کہ بہر صورت کہ بیائی ترا می شناسم۔" از جماعت کہ ثقہ بودند مسموع شد کہ بعدازاں کہ سر اورا از تن جدا کردند متکلم بکلمۃ طیبہ و حمد الہی بودہ ۔ راقم حروف از شاہ اسد اللہ کہ مرد عزیز درویش منزوی بود، شنیدم می فرمودند : کہ من با سرمد کمال خصوصیت داشتم ، روزی بوی گفتم کہ تغیر در وضع خود اگر بدہند نظر بسیاحت خلق ظاہر آدوراز صلاح نباشد۔ در جواب من ایں بیت را خواند۔

عمر یست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

از حضرت مخدومی خلیفہ ابراہیم دام افضالہ استماع رفت کہ سرمد کلمہ طیبہ را زیادہ بہ لاالہ نمی گفتہ ۔ شخصی از مصاحبانش پے بایں سر بردہ مدعیانش را خبر کرد، چنانچہ در روز قتل او پادشاہ بہ فضلا فرمود کہ تکلیف خواندن کلمہ یاد بکنید ، فضلا بوی گفتند کہ باوجود کمال علم و فضل کلمہ را نصف خواندن چہ صورت دارد، یا توبہ کردہ کلمہ را تمام بخواں یا بگشت گردن بنہ۔ وی فرمود کہ ہنوز در نفی مستغرقم۔ بمرتبہ اثبات نرسیدہ، حرف دروغ نمیتوانم بر زبان آورم، آخر بعد ازاں کہ گردنش را زدند ہمیں کہ سر از تن جدا شد ، سہ مرتبہ فرمود لاالہ غفر اللہ ۔خلاصہ ایں کہ وی از اکمل اولیای عصر و از فضلای دہر بودہ در فضیلت و عریبت نظیر نہ داشتہ، در میدان سخنوری گوی سبقت از بلغای زماں می ربودہ ، از افکار بلاغت امارش قوت طبع و رفعت مقامش ظاہر و ہویدا است۔

گرم عتاب چون شود دیدہ بپوشم از رخش
پردہ کشند مردماں چوں شود آفتاب گرم۔

سرمدا گرش وفاست خودمی آید — در آمدنش رواست خودمی آید۔
بے ہودہ چرا در طلبش میگردی — بنشیں تو اگر خداست خودمی آید
سرمد غم عشق بوالہوس راند ہند — شور دل پروانہ مگس راند ہند
عمر باید کہ یار آید بکنار — این دولت سرمد ہمہ کس ندہند

ہر کس سر حقیقتش باور شد　　او پہن تراز سپہر پہناور شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد　　سرمد گوید فلک باحمد واشد

(یہاں تین متفرق اشعار واضح نہیں تھے)

عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصّہ

تصنیف: ڈاکٹر زبید احمد ـــــ ترجمہ: شاہد حسین رزاقی

اس کتاب میں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، کلام، فلسفہ اور شعر و ادب وغیرہ سے متعلق تصانیف اور ان کے مصنفین کا الگ الگ ابواب میں تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ان تصانیف میں سے چوں کہ اکثر غیر مطبوعہ ہیں، اس لیے مصنّف کی پیش کردہ معلومات کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ شروع میں ایک سیر حاصل مقدمہ ہے، جس میں برصغیر پاک و ہند کے عربی ادب کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ پھر عہد بعہد مختلف حکمران خاندانوں کے تحت عربی علوم کی سرپرستی اور اس دور کے ممتاز علما اور ان کی عربی تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسلامیانِ پاک و ہند کی دینی اور علمی تاریخ سے باخبر ہونے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

کتابت، طباعت، کاغذ، جلد وغیرہ نہایت عمدہ۔

صفحات: ۴۸۶ ـــــ قیمت: ۱۰۰ روپے

ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

فہرست کتب واردہ در مسودہ مولانا ابوالخیر مرحوم

آتش کدہ آزر — از لطف علی بیگ آذر، ۱۲۹۹ھ ط۔ فتح الکریم، ط ثانی طہران ۱۳۳۷ شمسی،
(اخبار حلاج — مرتبہ، لوئس ماسینیوں، پیرس ۱۹۳۶ء)
بہارستان سخن — از عبدالرزاق (افسوس اس کتاب کے بارے میں معلومات نہ مل سکیں)
تذکرہ حسینی — از سید میر حسین سنبھلی، نولکشور، لکھنو ۱۸۷۵ء
تذکرہ نصر آبادی — از میرزا محمد طاہر، طہران، ۱۹۸۲ء (بہ تصحیح وحید دست گردی)
تذکرہ مرآۃ الخیال — از شیر محمد خان لودھی، بمبئی، ۱۸۳۱ء (باہتمام منشی سلیم اللہ)
(حیات سرمد — از ابوالکلام آزاد، لکھنو، تنویر پبلشرز)
دائرہ المعارف الیہودیہ — (انگریزی) سرمد پر مقالہ
دبستان مذاہب — از محسن فانی، نولکشور، ۱۸۸۵ء (مولانا نے ذوالفقار اردستانی کو دبستان کا مصنف قرار دیا ہے۔)
ریاض الشعراء — از والہ داغستانی، قلمی، کتب خانہ آصفیہ، دکن،
ریاض العارفین — از رضا قلی خان ہدایت، تہران (باہتمام مہر علی گورگانی)
شاہ جہاں کے ایام اسیری اور اورنگ زیب از فرانسیسی سیاح برنیر، ترجمہ از خلیفہ سید محمد حسین، کراچی، ۱۹۶۰ء، نفیس اکیڈمی۔
سفینہ بے خبر — از عظمت اللہ بے خبر، قلمی، ذخیرہ شیرانی نمبر ۱۴۹۸، پنجاب یونیورسٹی
شمع انجمن — از نواب صدیق حسن خان، بھوپال ۱۲۹۳ھ، ط۔ رئیس المطابع
(فتوحات مکیہ — از شیخ ابن عربی، بتصحیح عثمان یحیی، قاہرہ ط، وزارت ثقافت)
فرحۃ الناظرین — از محمد اسلم بن محمد حفیظ (پسر وروی)
مرحوم مولوی محمد شفیع نے اورنٹیل کالج میگزین، اگست ۱۹۲۸ء میں اس کتاب کے اقتباسات دیے ہیں، نیز دیکھئے ایضاً اگست ۱۹۲۷ء نمبر
کلمات الشعرا — از محمد افضل سرخوش، لاہور، ۱۹۴۲ء (تصحیح صادق علی دلاوری)
مآثر عالم گیری — از محمد ساقی مستعد خان کلکتہ ۱۸۷۱ء (مرتب احمد علی)
مآثر الامراء — از شاہ نواز خان، کلکتہ ۱۸۸۸ء۔۹۱ (مرتب علی اشرف)
مرآۃ العالم — از بختاور خان، قلمی، کتب خانہ آصفیہ (ذکر در شعرائے بلاغت)

اب اسے پنجاب یونیورسٹی نے بہ تصحیح ساجدہ علوی شائع کر دیا ہے۔
ملاحظہ ہو ج ۲، ص ۵۹۴)

مجمع الافکار — قلمی نسخہ، بانکی پور لائبریری (اس نسخہ میں سرمد کے بارے میں شاہ جہاں کے امیر معتمد خان کی ایک قلمی یادداشت کا اندراج ہے۔)

مجمع النفائس — از سراج الدین علی خان، آرزو، قلمی، ذخیرہ شیرانی پنجاب یونیورسٹی

(مضامین ذوقی شاہ، کراچی، مرتب کیپٹن پیال)

مخزن الغرائب — از احمد علی سندیلوی، بہ تصحیح ڈاکٹر باقر، ط پنجاب یونیورسٹی

منطق الطیر — از فریدالدین عطار، طہران ۱۳۴۳ شمسی (تصحیح نعمت اللہ قاضی)

نتائج الافکار — از محمد قدرت اللہ گوپاموی، بمبئی ۱۲۵۸ھ، (چاپ خانہ سلطانی اردشیر)

(نقد ابوالکلام آزاد — از رضی الدین احمد، میرٹھ)

واقعات عالم گیری — از عاقل خان رازی، لاہور (ط۔ دین محمد پریس) مرتب محمد عبداللہ چغتائی۔ (چغتائی صاحب نے ۱۹۲۸ء میں اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔)

سرمد پر مندرجہ ذیل دو انگریزی مقالے قابل مطالعہ ہیں :-

1. FISCHEL, W.J. — THE PERSONALITY OF SARMAD, ISLAMIC CULTURE, DECCAN, JAN-OCT.1951

2. TROLL.C.W. — ABUL KALAM AZAD AND SARMAD IN ISLAM AND INDIAN NATIONLISM, NEW DELHI, 1992 (ED. MUSHIRUL HESAN)